ماہ دسمبر 2020

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم ودانش کا ہے گلستاں پاسباں ؛ ہے ہمارے لئے حرز جاں پاسباں
(فیضان احمد اعظمی)

پاسبانی تراشے

جمع و ترتیب

مسعود اعجازی اورنگ آبادی ممبر پاسبان علم وادب

نام کتابچہ	:	پاسبانی تراشے
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
صفحات	:	ایک سو بائیس (122)
اشاعت	:	ماہ دسمبر 2020
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
موبائل نمبر	:	(+91) 7387127358

فہرست مضامین

حمد باری تعالیٰ

بقلم :- حافظ عامر اعظمی ، العین

زمیں آسماں .... ساری خلقت خدا کی
ہر اک شے سے ظاہر ہے قدرت خدا کی

جہاں ذکر اللہ کا ہو رہا ہو
برستی ہے اس جا پہ رحمت خدا کی

میں عاجز ہوں۔کیا کیا میں نعمت گناؤں
میں گننے سے عاجز ہوں نعمت خدا کی

تمنا یہی ہے.............. یہی ہے تمنا
مرے دل میں بھر جائے الفت خدا کی

یہ ذلت یہ عزت خدا کی عطا ہے
یہ حکمت خدا کی مشیت خدا کی

یہ دریا سمندر.... یہ صحرا یہ جنگل
جہاں میں نرالی ہے صنعت خدا کی

اے **عامر** جہاں کو خدا نے بنایا
جہاں کو رہے گی ضرورت خدا کی

نعت رسول مقبول ﷺ

بقلم :- حافظ عامر اعظمی ، العین

آپ نے سب پہ کتنی شفقت کی
ساری خلقت سے.. ہی محبت کی

ان پہ لاکھوں درود اور سلام
فکر تھی جن کو ساری امت کی

ایسا قائد جہاں نے کب دیکھا
آپ نے جس طرح قیادت کی

وہ خدا کا مطیع .... بندہ ہے
جس نے بھی آپ کی اطاعت کی

آپ کے تذکرے پہ چپ رہنا
انتہا ہوگئ .... بخالت کی

یہ بھی ایمان کی علامت ہے
فکر لاحق ہو جس کو سنت کی

آپ جیسا نہ.... دوسرا کوئ
تنگدستی میں بھی سخاوت کی

ایسا رتبہ نہ......... پا سکا کوئ
سارے نبیوں کی جو امامت کی

نعت کہنا ہے فضل کا باعث
آج عامر نے پھر جسارت کی

حدفِ چند

بقلم :- مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی

الحمدللہ! **پاسبانی تراشے ماہ دسمبر 2020** آپ کی اسکرین پر موجود ہے۔۔۔۔

پاسبانی تراشے! میں آپ دیکھیں گے بہترین حمد و نعت ، ملک کے موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے رہنمائی کرتے مضامین، سیاسی سماجی مسائل پر دلچسپ تبصرے ، صحت و طب کے متعلق مفید مشورے ، مرحومین پر تعزیتی تحاریر، اصلاح معاشرہ پر تازہ بتازہ مضامین آئے دن پیش آنے والے نت نئے مسائل اور ان کا حل، اور بھی بہت کچھ۔۔۔۔۔

پاسبانی تراشے! سوشل میڈیا کے شہر آفاق گروپ **پاسبان علم و ادب** کے ممبران کے قلم سے نکلنے والے قیمتی ادبی اصلاحی تراشوں کا مجموعہ ہے

ہم نے کوشش کی ہے اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے کی مزید کے لئے آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔۔۔۔

آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں سے ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔۔

نوٹ :- یہ رسالہ صرف برقی شائع کیا جاتا ہے

العبد مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی

مثبت رویہ اپنانے کی ضرورت

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

آج صبح صبح گروپ کے موقر اور ہر دلعزیز ممبر اور گروپ کی جان ڈاکٹر محمد ارشد قاسمی صاحب نے بہت اچھا پیغام دیا کہ ہمیں سیرت نبوی پر خامہ فرسائی کی ضرورت ہے، کیونکہ ہماری زندگی کی تمام پریشانیوں کا حل سیرت نبویہ میں پیش کر دیا گیا ہے، اور تفسیر پر لب کشائی کی ضرورت ھے، اور ایک نئے امنگ اور جذبے کے ساتھ میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے ہمارے اندر مثبت سوچ کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ مثبت سوچ ایک ذہنی اور جذباتی رویہ کا نام ہے۔ جو ہماری توجہ زندگی کے روشن پہلو کی طرف دلاتی ہے اور مثبت نتائج فراہم کرتی ہے۔ ایک مثبت سوچ رکھنے والا شخص ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اور صحت مندانہ مقابلہ جات میں شرکت کرتا ہے۔اور ہر وقت مسکراتا رہتا ہے۔اور وہ اپنی مہارتوں میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ خوشی ،کسی کام کو کرنے کی لگن اور محبت جیسے مثبت جذبات کی مدد سے ہم اپنی زندگی کی مشکلات کو ختم کر سکتے ہیں۔ اور مثبت جذبات رکھنے والا شخص اپنی اصل صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنا کر اپنی آئندہ آنے والی زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک مثبت رویہ کی مدد سے ہم خوش گوار اور اچھے نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کا ہماری صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ اور ہم زیادہ عمدہ طریقے سے اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اس سے ہمارے روزمرہ رویے میں بہتری آتی ہے۔ اور ہم عمدہ طریقے سے گفتگو کر سکتے ہیں اور چیزوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اور ان کے اوپر رد عمل کا اظہار کر سکتے ہیں۔

مثبت سوچ زندگی کا پیغام دیتی ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی کو بھرپور اور اچھے طریقے سے گزارنا چاہتے ہیں ان کے لیئے مثبت سوچ اپنانا بے حد ضروری ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہم اپنی سوچ کو جب تک مثبت نہیں کریں گے ہم اپنی اور دوسروں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا نہیں کر سکتے۔

ہم اکثر جانے انجانے دوسروں کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں اور جب بھی آپس میں بات چیت کرتے ہیں تو عام طور پر دوسرے لوگوں کے بارے میں ہی بات کرتے ہیں۔ ہم دوسروں کی برائیوں کے بارے میں زیادہ بات کرتے ہیں لیکن کسی کی اچھائی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

کبھی کبھی برائی کی بے جا تشہیر اس میں اضافے کا بھی سبب بن جاتی ہے اور اچھائی کا ذکر نہ کرنا اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنا جو اچھے کام کر رہے ہوتے ہیں ان لوگوں کو بددل کرنے کے مترادف ہے۔

ہم لوگ کبھی بھی اپنے اندر جھانک کر نہیں دیکھتے کہ ہمارے اندر کیا کیا خامیاں ہیں ؟ ان خامیوں کو دور کیسے کرنا ہے؟ اپنی غلطیوں سے بچنا کیسے ہے؟ اپنے گناہوں کی تلافی کیسے کرنی ہے؟ ہر انسان کے اندر خامیاں ہوتی ہیں لیکن وہ اپنی ان خامیوں اور غلطیوں کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ ہمیشہ وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنی خامیوں کا ادراک صحیح وقت پر کرلیتا ہے اور اپنی بھرپور کوشش سے ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اپنے بارے میں تو مثبت ہی سوچتے ہیں تو پھر دوسروں کے بارے میں آخر منفی کیوں سوچیں؟ اس لیے آج صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ھم زندگی میں جو کام بھی کریں صرف اپنا رویہ مثبت رکھیں۔ ہم جب بھی کوئی کام شروع کرتے ہیں تو ہمارے اندر سے مختلف

وسوسے سر اٹھانا شروع کر دیتے ہیں کہ شاید مجھے اس میں کامیابی ہو یا نہ ہو۔
ماہرین یہ کہتے ہیں کہ انسان جس طرح سے سوچتا ہے اس کی زندگی میں ویسا ہی ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کامیابی کے بارے میں سوچتے رہیں گے اور اس کے بارے میں اپنے تیئں بھرپور طریقے سے کوشش کریں گے اور اپنے تمام وسائل اس میں لگا دیں گے ۔جو کامیابی کی قیمت ہوتی ہے وہ آپ کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر آپ کامیاب نہیں ہوسکتے ۔لیکن اس تمام عمل میں آپ کی مثبت سوچ کا ایک اہم کردار ہے۔ جتنی زیادہ آپ کی سوچ مثبت ہوگی اتنے ہی زیادہ آپ کی کامیابی کے امکانات ہونگے۔
اس لیے ہم مثبت سوچ کے ساتھ میدان عمل میں قدم رکھیں، اور دین کی بلندی وسرفرازی کے لیے ایسے اعمال کریں جس کے نتائج تادیر قائم رہ سکیں، اور ہر ایسا عمل جو دین اسلام کے منافی ہو یا جس سے ھمارے دین اسلام کی بنیاد کے متزلزل ھونے کا خطرہ لاحق ھو اس کو ابتدا ہی میں جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ مضبوط ہوکر کہیں دوسروں کی گمراہی وہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔
ایسے موقع پر ہم اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ اس نے ہمیں جو صلاحیت دی ہے اس کو مثبت سوچ کے ساتھ صحیح جگہ استعمال کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

یہ مسلمان ہیں

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایثار و قربانی کے واقعات اسلامی تاریخ کے صفحات پر جابجا نظر آتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وتربیت کا اثر تھا کہ وہ خود پیاس سے جان دے دیتے ہیں لیکن اپنے دینی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہیں کرتے، خود بھوکے رہ جاتے ہیں اور اپنے بچوں کو بہلا پھسلا کر بھوکا سلادیتے ہیں لیکن اپنے دینی بھائی کو پیٹ بھر کر ایسی حکمت سے کھلاتے ہیں کہ اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ میزبان بھوکے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے ساتھیوں کو ستاروں کے مانند قرار دیا ہے، ان کی اتباع و پیروی میں دونوں جہان کی کامیابی ہے، وہ اپنے اوپر اپنے بھائی کو ترجیح دیتے تھے، اپنی ضرورتوں پر ان کی ضرورت کو مقدم رکھتے تھے، آج کا مسلمان ایسا ہے کہ اس کے دل میں ہر ایک کے لئے جگہ ہے، غیروں کے ساتھ ہمدردی ہے لیکن اپنے بھائی کے لئے اس کے دل میں جگہ ہے نہ ہمدردی ہے، ایثار و قربانی ہے نہ خیر خواہی ہے، معمولی سی بات پر آپس میں لڑنے جھگڑنے کے لئے وہ بہت بہادر ہے اورایک دوسرے کی جان لینا اس کے یہاں معمولی سی بات ہے۔

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جایئے
غیر کا جب سامنا ہو، بس قلی بن جایئے

مسلمان اپنے مسائل کے بڑی حد تک خود ذمہ دار ہیں، دوسروں کو کوسنا اور برا بھلا کہنا یہ خود بہت بڑا مسئلہ ہے اور بد قسمتی سے آج امت مسلمہ یہی کررہی ہے۔

قصہ ایک سبق انیک

بقلم :- مفتی توقیر بدر آزاد القاسمی

علامہ زاہد الکوثری رح نے اپنی مشہور کتاب "حسن التقاضی فی سیرۃ ابي یوسف القاضی" میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے. جو راقم کے خیال سے قاضی و طلبہ قضا کے لیے فکر انگیز،علما و واعظین کے لیے عبرت خیز اور عام قاری کے لیے سبق آموز ہے.

حسن بن زیاد کے حوالے واقعہ یوں شروع ہوتا ہے.

"ایک دن امام ابو یوسف رح عباسی خلیفہ رشید کے گھر سے مسکراتے ہوئے باہر نکلے،ہم انکے دروازے پر انکے ہی منتظر تھے، وجہ مسکراہٹ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے تفصیلات بتائیں کہ آج خلیفہ کی مجلس میں انکے سامنے ایک عجیب مسئلہ پیش ہوا.

ہوا یہ کہ آرمینیا کے قاضی کے پاس دو جوان بچیاں اپنے گھڑے کا مقدمہ لے کر آئیں،مقدمہ کچھ اس طرح تھا کہ دونوں کہیں سے پانی بھر کر لا رہی تھیں،ایک جگہ دونوں نے آرام کرنے کی غرض سے اپنا اپنا گھڑا رکھا،اس اثنا میں ایک کا گھڑا دوسرے کے گھڑے پر گر گیا اور دونوں ہی گھڑے ٹوٹ گئے،دونوں اپنا مقدمہ قاضی کے پاس لے آئیں اور ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہنے لگی،کہ اس کا گھڑا میرے گھڑے پر گر پڑا اور ٹوٹ گیا،قاضی دونوں کو دیکھنے لگا اور مدعی اور مدعی علیہا میں کچھ فرق نہ کرسکا،سپاہی سے کہا ان دونوں کو تھوڑی دیر بعد لاؤ!

سپاہی نے ان دونوں سے تھوڑی دیر بعد آنے کو کہا تو دونوں شور مچانے لگیں،قاضی نے ان کو دوبارہ بلایا،پھر گھڑے کا واقعہ کہنے لگیں،قاضی ان کی طرف دیکھنے لگا اور پھر سپاہی

سے کہا انھیں بعد میں حاضر کرو، پھر شور مچانے لگیں۔ قاضی نے سپاہی سے کہا جاؤ! دونوں کو دو گھڑے خرید دو! تاکہ میری جان چھوٹ سکے!

شام کو قاضی نے اپنے ایک خاص ہم نشیں و آمد و رفت رکھنے والے ندیم سے اس کے متعلق عوامی رایے اور تبصرے جاننا چاہا، تو اس نے بتایا کہ لوگوں میں یہ چہ مے گوئیاں ہوری ہیں کہ قاضی صاحب نے گھڑے کا تاوان بھر کر فیصلہ درست نہیں کیا، تو قاضی صاحب نے سوالا پوچھا کہ کیا لوگ اس سے خوش نہیں کہ جس مقدمے کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تو اس کا جرمانہ یا بدلہ چکا دیتا ہوں! البتہ جس کا بہتر فیصلہ کرسکتا ہوں تو اسے فیصلے سے ہی نمٹا دیتا ہوں!

امام ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ سے کہا کہ قاضی بڑا دانا انسان ہے اس کا وظیفہ بڑھا دینا چاہیے تاکہ وہ جرمانہ بھر سکے، اسکے بعد ماہانہ اسکا ہزار درہم وظیفہ بڑھا دیا گیا"

دیکھیے محولہ کتاب کا متعلقہ صفحہ {٦٥}

اس واقعے سے کئی اہم اہم باتیں ہم بھی سیکھ سکتے ہیں سمجھ سکتے ہیں!

اول: مجلس بادشاہ کی ہو یا کسی عدالت عالیہ و عدالت عظمیٰ کے سربراہ کی، بہرصورت وہ علمی، فکری اور عوامی مسائل کے حل کے لیے ہی برپا ہو، تو تاریخ میں یادگار بن پاتی ہے. ورنہ من کی باتیں تو ایک رکشہ چالک بھی رکشہ کھینچتا ہوا خود کلامی کی صورت میں کرتا چلا جاتا ہے.

دوم: یہ کہ کار قضا میں ایک قاضی کے لیے یہ شروع ہی سے سخت مرحلہ رہا ہے کہ "مدعی کون اور مدعا علیہ کون؟" اس کی تعیین بآسانی کرسکے! آج بھی جو احباب اس سے

وابستہ ہیں یا رہے ہیں وہ اسکی شہادت دے سکتے ہیں،شائقین اس حوالے سے اردو میں مولانا عبدالصمد رحمانی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب'آداب قضا'دیکھ سکتے ہیں.
سوم:یہ کہ فیصلہ کرنے کے لیے پر سکون ماحول، پر سکون مزاج اور سوچ بچار کے لیے مطلوب وقت کا ہونا ضروری ہے.ورنہ انتشار اور عجلت کچھ کا کچھ کرواسکتی ہے. اسکے لیے بھی تفصیلات اردو میں قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمہ اللہ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی 'اسلامی عدالت' میں دیکھ سکتے ہیں!
چہارم :معمولی قیمت کی چیزوں کے تنازع میں فریقین کو راضی کرنے کا آسان طریقہ انہیں اس قسم کے متبادل فراہم کرنا بھی ہوسکتا ہے،جو کہ ایک فیصلہ ہی ہے،بشرطیکہ جیب قاضی اسکا متحمل ہو!جیسا کہ اس واقعے پر قاضی وقت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی شاباشی و سفارش شاہد ہے.

پنجم:یہ کہ قرون اولی کے قاضی بھی عورتوں کی اس قسم کے جھگڑوں میں انصاف کرنے سے قاصر تھے اور انھیں اپنی جیب سے انہیں'جرمانہ بھرنا' پڑتا تھا۔ایک زمانہ اور ماضی حال کی تاریخ اسکی گواہ ہے.

ششم:عاقل ذی ہوش اور خدا ترس عالم باہوش کا کسی کی بابت مخلصانہ اپیل و بے لوث مشورہ لائق عمل و قابل قبول ہونا چاہیے!

موسم سرما اور خدمت خلق

بقلم :- مفتی شاکر نثار المدنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موسم سرما اپنی شدت اختیار کر رہا ہے، بہت سے غریب حضرات ایسے ہیں کہ سردی سے بچاؤ کے لئے ان کے پاس ضروری اشیاء موجود نہیں ہیں اس لئے ہمیں اپنے طور پر ایسے لوگوں کی بلا تفریق مذہب مدد کرنی چاہئیے۔

ضروری نہیں ہے کہ ہم ان کے لئے نئے سامان ہی خریدیں بلکہ گرمی حاصل کرنے کے بہت سے قابل استعمال سامان ہمارے گھروں میں موجود ہیں اور انہیں ہم استعمال نہیں کر رہے اگر وہی سامان ہی ہم کسی غریب کو دیدیں تو اس کی ٹھنڈک آسانی کے ساتھ گذر سکتی ہے

نوٹ: بطورِ خاص برادران وطن کی مدد کرتے وقت مذہب اسلام کی سب کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم اور حکم کے حوالہ سے چند باتیں کہہ دی جائیں تو مدد کے ساتھ ساتھ دین کی دعوت اور ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی غلط فہمی کے ازالہ کا ذریعہ بھی ہو گا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

مولانا عبد الحی صاحب خیر آبادی ، سوانحی نقوش

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیر آبادی(حاجی بابو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام : عبد الحی بن مولانا نذیر احمد صاحب خیر آبادی

تاریخ ولادت : ۸ مارچ ۱۹۴۴ئ(سرٹیفیکٹ مطابق)

تاریخ وفات : ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۷ دسمبر ۲۰۲۰ء دوشنبہ

تعلیم : ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیر آباد میں ، اس کے بعد عربی پنجم تک مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں ، اس کے بعد معہد ملت مالیگاؤں میں جہاں اس وقت آپ کے برادر بزرگ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی پڑھارہے تھے ۔

فراغت : دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ئ)

تدریس : دارالعلوم مئو،یہاں کی تدریس کے دوران علی گڑھ سے ہائی اسکول کیا ، اس کے بعد انگریزی تعلیم کے حصول لئے دارالعلوم مئو سے مستعفی ہوگئے، اور مختلف کورس کئے ، اور بی اے میں داخلہ لیا ، مولانا انگریزی زبان کے ماہر تھے ۔

انجمن خدام الاسلام ہائر سکنڈری اسکول ممبئی میں ۴ سال پڑھایا۔ ضلع مرادآباد کانٹھ میں ایک سال قیام رہا ، وہاں صدر مدرس تھے ۔پھر مولانا بشیر احمد صاحب کے مشورے سے دارالعلوم وڈالی گجرات لے گئے ، وہاں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۲ء تک رہے ، عربی سوم سے دورہ حدیث تک کی کتابیں زیر درس رہیں ۔

مدرسہ امدادیہ میں ۲ سال قیام رہا ، دورہ تک کی کتابیں یہاں بھی پڑھائیں۔ پھر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث الاعظمی علیہ الرحمہ کی ایما پر مظہر العلوم بنارس گئے ،

جہاں دو سال قیام رہا۔ پھر ایک سال جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں رہے۔اس کے بعد شمالی افریقہ کے ایک ملک یوگنڈا چلے گئے جہاں ڈھائی برس ایک مدرس میں رہے۔

گھر آنے کے بعد اہلیہ کے انتقال کی وجہ سے قریب ہی رہنے کو ترجیح دی، اور چشمہ فیض ادری میں ۱۹۸۸ء سے ۲۰۰۶ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ جون ۲۰۰۶ء میں رٹائرڈ ہونے کے بعد، کرمالی، ضلع بھروچ گجرات میں 12 سال شیخ الحدیث رہے۔ فی الوقت مدرسہ تحفیظ القرآن اسلام پور میں شیخ الحدیث تھے۔

اہلیہ کے انتقال کے بعد مولانا نے دوسری شادی کی، دونوں سے اولادیں ہیں۔

تصنیفات : رہنمائے فاضل : یوپی مدرسہ بورڈ کے سوالات کا حل،اس کتاب کو جدید نصاب کے اعتبار سے مولانا نے دوبارہ مرتب کردیا ہے جو بالکل طباعت کے لئے تیار ہے۔

رمضان پاشا کی عربی کتاب کا ترجمہ

مولانا مرحوم زبردست عالم اور ہر فن میں درک رکھتے تھے، عام علماء کے برعکس انگریزی پر بھی قابل رشک قدرت تھی۔ افسوس ایسے باکمال لوگوں سے دنیا خالی ہوتی جارہی ہے۔ اہل خیر آباد کے لئے یہ ایک بڑا سانحہ ہے۔

(یہ تمام معلومات مولانا عبد الباسط صاحب بن مولانا زین العابدین صاحب معروفی نے فراہم کی ہیں، انھوں نے ایک ضرورت سے ابھی چند ماہ قبل مولانا مرحوم سے براہ راست فون کرکے یہ معلومات حاصل کی تھیں، انھیں کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یہ سوانحی خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ ابھی اس میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے۔

اپنی مدد آپ

بقلم :- حافظ محمد خطیب اعظمی

ایک محتاط اندازے کے مطابق ہندستان میں مسلمانوں کی اقل تعداد 25 سے 30 کروڑ ہے یہ اور بات کہ سرکاری اعداد و شمار میں دہائیوں سے 12 سے 15 کروڑ ہی بتایا جاتا رہا ہے.
الحمدللہ مسلمانوں کی یہ تعداد کئی ممالک کی مشترک آبادی کے برابر ہے. کسی قوم کی اتنی کثیر تعداد کوئی معمولی تعداد نہیں ہوتی کہ جسے جب کوئی چاہے مسل دے.
مسلمان اس ملک کا اٹل مقدر ہیں انکے خلاف چاہے کوئی جیسی بھی سازش اور منصوبہ بندی کرلے لیکن ہمارا اللہ کی ذات پر پختہ یقین ہے کہ ان شاءاللہ تاقیامت ہندستان سے مسلمانوں کو مٹانے کا خواب پورا نہیں ہوسکتا.
بس ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان عملی میدان میں متحرک ہوجائیں.
سب سے پہلے اپنے سارے معاملات درست کریں.
"دین پر عمل" اولین ترجیحات میں ہمیشہ شامل رہے. دینی تعلیم و عصری علوم و فنون میں مہارت کو اپنے لئے لازم و ملزوم کرلیاجائے. ہر ایک کا اپنے لئے نیز اپنی اولاد کیلئے زندگی میں آگے بڑھنے کا ہمیشہ ایک ہدف بناکر رکھا جائے.
ہماری زندگیوں میں اقتصادی مسائل اہم مسئلے ہوتے ہیں جس سے نمٹنے کیلئے حکومت کی جانب سے مسلمانوں کو کسی توقعات کی ضرورت نہیں کہ حکومت نے اپنے کسی طرح کے تعاون سے پہلے ہی سے مسلمانوں کو بےنیاز کرر رکھا ہے اسلئے اس میدان میں بھی اپنی مدد آپ کے تحت ایکدوسرے کا معاون و مددگار بنا جائے.

ہر صاحب ثروت اپنی صوابدید پر کچھ کنبوں کا معاون ضرور بنے.
چھوٹی ہو یا بڑی، تجارت کو ترجیح اور مشغلہ بنایا جائے اور اس میدان میں ایکدوسرے کی حوصلہ افزائی کی جائے.
اگر ایسا ہوتا ہے تو ان شاءاللہ کامیابی قدم چومے گی اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کے سارے منصوبے خاکستر ہونگے.

گرم پانی کا تجربہ

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

گرم پانی کا استعمال صحت کے لئے نہایت ھی مفید ہے،سردی کے اس موسم میں اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔
جسم عجیب کیفیت سے دوچار رہتا تھا، ذہن ودماغ ،ہاتھ پاوں اور جسم کے مختلف پرزے عجیب وغریب پیغام دے رہے تھے ،میں وجہ سمجھنے سے قاصر تھا،کسی مخلص کے مشورے سے شام اور صبح کو گرم پانی پینے کا معمول بنایا ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ گرم پانی میں چھپا ہوا راز سمجھ میں آگیا آپ بھی صحت مند اور پر لطف زندگی پانے کے لئے گرم پانی کا استعمال ضرور کریں۔

مرثیہ در شان حضرت مولانا ابراہیم پانڈولیؒ

بقلم :- مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

جس نے شفقت سے کہا چاند ستارہ ہم کو
اپنی فرقت سے اسی ذات نے مارا ہم کو

بزمِ عالم سے براہیم بھی......... آخر اٹھا
وہ کہ جس سے تھا ہمہ حال سہارا ہم کو

گلشنِ جامعہ ناشر پہ .... اداسی چھائی
وہی دنیا سے اٹھا جس نے سنوارا ہم کو

آج ہر آنکھ ہی اشکوں کا سمندر ٹھہری
کون دکھلائے گا...... پر نور نظارا ہم کو

شاخ وہ سوکھ گئی .....جو تھی بہارِ گلشن
پھول وہ ٹوٹ گیا جو کہ تھا پیارا ہم کو

کیوں نہ روئیں کہ وہ درویش مسیحا نہ رہا
جس کی برکت سے ملا حق کا اشارا ہم کو

کون بتلائے گا شاہی میں فقیری کے رموز
کون محفل میں بلائے گا..... دوبارہ ہم کو

چل بسا وہ تو ہمارے لیے...... باقی نہ رہا
رونے دھونے کے سوا کوئی بھی چارا ہم کو

ناصری! آہ ہمیں صبر کی اب تاب کہاں
درد سہنے کا بچا ہی نہیں........ یارا ہم کو

اے خدا قبرِ براہیم پہ .....رحمت برسا
جیتے جی جس نے محبت سے پکارا ہم کو

اسلام،مسلمان اور زراعت

بقلم :- مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

ملک عزیز ہندوستان کو قدرت نے بیشمار گونا گو نعمتوں سے نوازا ہے ان نعمتوں میں ایک عظیم نعمت اس ملک کی سرزمین کو رطوبتی اور پیداوار کے اس قابل بنانا بھی ہے جو ہر ملک کو میسر نہیں یہاں کی زمینیں انتہائی زرخیز اور قسمہاقسم کے غلہ جات کو پیدا کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں یہی وجہ ہیکہ ملک عزیز 1970 کی دہائی میں ہی زرعی پیداوار میں خود کفیل بن گیا جبکہ 1990 سے پیداوار میں اس قدر اضافہ ہوا کہ خود کفیلی کے بعد اچھا خاصا اناج پس انداز بھی کیا جانے لگا بلا شبہہ اس میں کسانوں کا رول انتہائی اہم ہے لاک ڈاؤن کے بعد جبکہ ہر شعبہ تنزلی میں مائنس کی طرف تیزی سے دوڑ لگا تا چلا آرہا ہے شعبہ زراعت وہ واحد شعبہ ہے جس نے ملکی معیشت کو غیر معمولی توانائی اور آکسیجن فراہم کرنے میں خوش کن نتیجہ دیا اس شعبہ کے اعداد و شمار جی ڈی پی میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں 2018 کے اعداد و شمار کے مطابق یہ شعبہ جی ڈی پی میں 18.17 فیصد کا حصہ دار رہا اس کے علاوہ ملک کے مجموعی ورک فورس میں 50 فیصد کے روزگار کا ایک بڑا پلیٹ فارم زرعی شعبہ ثابت ہوا زرعی پیداوار کی برآمد معیشت کو جو فائدہ پہونچاتی ہے وہ بھی معمولی نہیں تقریبا 40 ارب ڈالر کی زرعی مصنوعات دیگر ملکوں کو ایکسپورٹ کی جاتی ہے وطن عزیز چاول اور گیہوں کی پیداوار میں دنیا میں دوسرا مقام رکھتا ہے شاید یہی وجہ ہیکہ زمانہ قدیم سے اس ملک میں کسانوں کا احترام ہوتا چلا آیا ہے

افسوس آج موجودہ حکومت اتنے اہم شعبہ کے تعلق سے بدنیتی کا شکار ہے اپنے چند کارپوریٹ دوستوں کی معیشت کو تقویت دینے کیلئے 1955 کے زرعی قوانین میں تبدیلی کرکے کسانوں کو حاشیہ پر ڈالنا چاہتی ہے ہمارے کارپوریٹ شعبہ کی مضبوطی یقینا ملکی معیشت کے لئے انتہائی اہم ہے کیونکہ وہ بھی معیشت کا ایک اہم ستون ہے لیکن یہ کون سی سمجھ داری ہے کہ ایک ستون کو طاقت پہونچانے کیلئے دوسرے اہم ستون کو زمین بوس کردیا جائے حکومت بار بار یہ اعلان کررہی ہیکہ یہ تینوں قانون کسانوں کی بھلائی کیلئے ہیں پر ایسا نظر نہیں آرہا اگر یہ بات ہوتی تو کسانوں کی اتنی بڑی تعداد ملک کی راجدھانی کا محاصرہ اتنے یخ بستہ موسم میں سرد ہواؤں سے سینہ سپر ہوکر نہ کرتی آپ تبدیل شدہ قوانین کے منظر اور پس منظر پر نگاہ دوڑائیں تو حکومت کی بدنیتی روز روشن کی طرح عیاں ہوجائیگی 1955 کے قانون کے تحت جمع خوری ایک جرم تھا جسے موجودہ حکومت نے دو حالتوں (حالت جنگ اور قدرتی آفات) کے استثناء کے ساتھ تبدیل کرکے جمع خوری کو قانونی حیثیت فراہم کردی ہے یاد رہے شریعت مطہرہ میں ذخیرہ اندوزی بعدہ گراں فروشی اور ناجائز منافع خوری کی ادنی سی بھی گنجائش نہیں اسلئے کہ اس سے نہ صرف انسانوں کے حقوق متأثر ہوتے ہیں بلکہ معاشی اور معاشرتی توازن میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا"جو شخص گرانی اور مہنگائی کی غرض سے غلّہ اور دیگر اشیائے صرف روکتا ہے (ذخیرہ اندوزی کرتا ہے)وہ گناہ گار ہے" (صحیح مسلم)

امام بخاریؒ نے رسول اکرمﷺ کا ارشادِ گرامی بیان فرمایا ہے کہ آپؐ نے "نجش" یعنی اشیائے صرف کو مہنگے داموں فروخت کرنے کی منصوبہ بندی کرنے سے بھی منع فرمایا"(صحیح بخاری)

خیر موجودہ قانون کو سیاسی و معاشی پنڈتوں کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس قانون (essential commodities act) کا پس منظر کافی دشواریاں رکھتا ہے مستقبل میں یہ قانون(جمع خوری) غریبوں اور کسانوں کیلیئے بھیانک رخ لے سکتا ہے پہلا رخ تب ظاہر ہو گا جب کسانوں کے غلہ فروخت کے وقت جمع شدہ مال کو بازار میں سستے داموں اتار کر مارکیٹ ریٹ کو بگاڑ دیا جائیگا بعدہ کسان کیلیئے اپنی فصل سستے داموں فروخت کرنا مجبوری بن جائیگی جس میں سراسر کسانوں کا استحصال ہے اور دوسرا رخ جب کسانوں سے سستے داموں خریداری کرلی جائیگی تو غلہ کو روک کر اسکی قیمت آسمان تک پہونچائی جائیگی پھر جمع شدہ مال کو مہنگے داموں فروخت کیا جائیگا جس کا بوجھ عام غریب انسان کے کندھوں کو اٹھانا پڑیگا

دوسرا قانون (contract farming) جس میں فصل کی پیداوار کو ٹھیکہ پر دینے کے عمل کو متعارف کرایا گیا ہے اس کی صورت یہ ہوگی کہ بڑی بڑی کمپنیاں پیداوار سے قبل ہی کسانوں سے معاہدہ کرینگی کہ جو بھی پیداوار ہوگی اسکو اتنی قیمت پر ہم خرید لینگے اور یہ معاہدہ کئی کئی سالوں کا ہو گا بظاہر تو اس میں کسانوں کا فائدہ نظر آرہا ہے لیکن اس کا نقصان تب ظاہر ہو گا جب کھلی مارکیٹ میں فصل کی قیمت معاہدہ شدہ قیمت سے زیادہ ہوگی تب معاہدہ کے زور پر کسانوں سے کھلی قیمت سے کم خریداری کی جائیگی اور جب معاملہ اس کے برعکس ہو گا تو کمپنی فصل میں عیب نکال کر اسے لینے سے انکار کردیگی مزید ستم ظریفی کہ کسان کمپنی کے خلاف عدالت سے رجوع بھی نہیں کرپائیگا اسے اپنی شکایت حلقہ کے ایس ڈی ایم اور زیادہ سے زیادہ ڈی ایم تک پہونچانے کا اختیار ہو گا آپ ہی اندازہ لگائیں کہ محکمۂ پولیس (Department_of_Police)

اور کارپوریٹ سیکٹر (corporate sector) کی جگل بندی میں کسان کس حیثیت میں ہوگا تیسری چیز جو اس قانون میں متعارف کرائی گئی ہے وہ ہے پرائیوٹ منڈیاں (APMC) یعنی Agricultural Produce Market Committee جو نئی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی کسان اپنی 95٪ فصل پرائیوٹ منڈیوں میں ہی بیچتا چلا آیا ہے 5سے 6٪ کسان ہی ایسے تھے جو اپنی فصل سرکاری منڈیوں میں بیچتے رہے سو منڈیوں سے کسان کو کوئی دقت نہیں انکی مانگ ہے کہ پرائیوٹ منڈیوں میں بھی (MSP) کو جاری کیا جائے

Minimum Support Price. کو MSP کہتے ہیں

ایم ایس پی میں کسان کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اس میں کسی کا بندھوا نہیں ہوتا بلکہ اسے جہاں فصل کی اچھی قیمت ملتی پوری آزادی سے بیچ سکتا تھا جبکہ وہ contract farming میں کمپنیوں کے ہاتھوں مجبور ہوجاتا ہے بہر حال سب ملا کے دیکھا اور سمجھا جائے تو حکومت کسانوں کے تعلق سے سنجیدہ نہیں

آج پوری دنیا میں ایک لہر چلی ہیکہ اسکے مقابل کوئی آواز اٹھانے والا نہ رہے ہندوستان کی موجودہ سرکار بھی اسی طرف تیزی سے قدم بڑھانا چاہ رہی ہے اور اس راہ کی جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ لوگوں کی آسودگی ہے سرکار چاہتی ہے کہ عوام الناس سے ساری دولت لوٹ کر چند لوگوں کے حوالہ کردے اور ملک کی ایک بڑی تعداد کو غربت و افلاس کی کھائی میں ڈھکیل کر خوراک و پوشاک میں اس قدر الجھا دے کہ وہ اسکے علاوہ کچھ سوچنے کے قابل ہی نہ رہیں اور خود اطمینان سے من چاہی حکومت کرتے رہیں

موجودہ حکومت اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں ملک کا ستیاناس کرنا چاہتی ہے اسے احساس نہیں کہ اسنے کتنے حساس شعبہ کو تباہ کرنے کی ٹھانی ہے یہی ایک ایسا شعبہ

ہے جس میں ہندوستان پچھلی کئی دہائیوں سے راج کرتا آرہا ہے ملک عزیز کو آج بھی ایگری کلچرل پاور ہاؤس کہا جاتا ہے افسوس آج حکومت گرتی معیشت سے بے پروا اس شعبہ کو تباہ کرنا چاہتی ہے آپ گزشتہ دہائیوں بلکہ صدیوں پے نگاہ دوڑائیں تو یہ بات صاف دکھائی دیگی کہ اسی شعبہ کے سہارے ملک کی معیشت بلندیوں پہ تھی آج ہندوستان باعتبار ملک نمبرنگ میں 181 ملکوں کی فہرست میں 142 ویں مقام پر ہے جبکہ دنیا کی مجموعی معیشت میں صرف 7.09 کا حصہ دار ہے اس کے مقابلہ جب آپ اس مغلیہ ادوار کا جائزہ لینگے جسے ملک دشمن عناصر آج منھ بھر بھر کے گالیاں دیتے نہیں تھکتے تو آپ حیرت کرینگے1526ء سے 1857ء تک اس ملک پر مغلوں کی حکومت رہی اس پورے 331 سالہ دور میں کبھی ایسا وقت نہیں آیا جب دنیا کی مجموعی معیشت میں ہندوستان کی حصہ داری 20٪ سے کم ہوئی ہو

مغربی مورخ اینگس میڈیسن کے مطابق 1700ء میں حضرت اورنگزیب علیہ الرحمہ کے دور میں برصغیر دنیا کا سب سے امیر ملک بن گیا جس کا عالمی صنعتی پیداوار اور جی ڈی پی میں حصہ 24٪ تھا۔

نیز مورخ سراستی کے مطابق مغل دور میں برصغیر پیداواری لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت تھا ایک اور مغربی مورخ جیفری جی ویلیمسن کے مطابق برصغیر اٹھارہویں صدی تک دنیا کی کل صنعتی پیداوار کا 25٪ پیدا کرتا رہا۔

مورخ اینگس میڈیسن کے مطابق مغل دور میں برصغیر کی جی ڈی پی نے جتنی ترقی کی اتنی برصغیر نے مغل دور سے پہلے گزشتہ پندرہ سو سالوں میں کبھی نہیں کی تھی

آپ ان ادوار کا باریکی سے جائزہ لینگے تو زراعت اور بلند معیشت میں آپ کو ایک

خوبصورت ربط نظر آئیگا جسے موجودہ حکومت سمجھنا نہیں چاہ رہی حکومت اگر ذاتی فائدہ سے ہٹ کر ملک کی بھلائی کیلئے زرا سا بھی سنجیدہ ہے تو اسے کسانوں کی آواز پہ کان دھرنا پڑیگا انہیں ان سنا کرنے کی غلطی بھاری معاشی تباہی کو دعوت دینے والی ہوگی اللہ تعالی اس ملک کو دشمن عناصرون سے پاک صاف فرمائے

انقلاب صبح کی کچھ کم نہیں یہ بھی دلیل
پتھروں کو دے رہے ہیں آئنے کھل کر جواب

زراعت کو اگر اسلام کے ترازو پہ تولا جائے تو اس شعبہ کی اسلام نے بھی بہت حوصلہ افزائی کی ہے

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے {أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ (63) أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ } [الواقعة: 63، 64].

دیکھو تو سہی کہ تم جو کچھ بوتے ہو، اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:{وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَحَبَّ الۡحَصِيۡدِ

نیز ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا، پھر اس سے باغات اور کھیتی کے اناج اُگائے(سورہ ق)

نیز سورہ یسین میں ارشاد ربانی ہے

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ * وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ * لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ } [يس: 33- 34]،

اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے ، جس کو ہم نے زندہ کیا، اس سے اناج نکالا ، پھر یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں، اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے ہیں اور زمین میں پانی کے چشمے جاری کردیئے ہیں ، تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں اور یہ پھل ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں تو کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے ؟

سورہ نحل میں ارشاد ربانی ہے

{هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ* يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ} [النحل: 10- 11]،

وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اُتارا، جس میں سے کچھ پینے کا ہے اور کچھ پانی سے درخت (سیراب ہوتے) ہیں ، جس میں تم چرایا کرتے ہو ، اللہ اس سے تمہارے لئے کھیتی ، زیتون ، کھجوریں ، انگور اور ہر قسم کے میوے اُگاتے ہیں ، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے ، جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ۔

سورہ انعام میں رب کا فرمان ہے

{وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفاً أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهاً وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُواْ مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُواْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ} الأنعام 141

وہی خدا ہے جس نے باغات پیدا کئے ، وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ، نیز کھجور کے درخت اور کھیتی --- جن سے مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں ---اور زیتون اورانار پیدا فرمائے ، باہم ملتے جلتے اور الگ الگ ،جب پھل آئے تو ان کے پھل کھاؤ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کردو ، نیز فضول خرچی نہ کرو کہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

(ٹٹی بانس کو چیر کر چھاڑ وغیرہ چڑھانے کیلئے چھت کی طرح بناتے ہیں)

اسکے علاوہ زراعت کے سلسلہ میں خود نبی پاک ﷺ کے ارشادات گرامی کی ایک لمبی فہرست موجود ہے دارمی کی روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَن اَحیٰ اَرضاً مَیتَتاً فَلَہ فِیھَا اَجر وَمَا اَکَلَتِ العَافِیَۃُ مِنہُ فَھُوَ لَہ صَدَقَۃ** (رواہ الدارمی)

حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے مردہ(بنجر) زمین کو زندہ کیا تو اسکے لئے اس میں ثواب ہے اور اس میں سے جو کچھ جانوروں نے کھایا تو اسکے لئے اس میں صدقہ ہے

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "**ما من مسلم يغرس غرسا، أو يزرع زرعا، فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة، إلا كان له به صدقة**". صحيح البخاري 2320

جو کوئی مسلمان درخت لگائے یا کھیتی کرے پس کھالے اس سے پرندہ یا انسان یا پھر جانور تو یہ اسکے لئے صدقہ ہوگا

ایک اور موقع پر آپ ﷺ وسلم نے کاشتکاری اور بنجر وبے استعمال زمین کو کاشت کے لئے استعمال کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس کے پاس زمین ہو اسے اس زمین میں کاشتکاری کرنی چاہیے، اگر وہ خود کاشت نہیں کرسکتا ہو تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے، تاکہ وہ کاشت کرے۔

"من كانت له أرض فليزرعها، فإن لم يزرعها فليزرعها أخاه"..

(مسلم شریف 1536)

اسکے علاوہ بہت سی احادیث وآیات میں دین اسلام زراعت و کاشتکاری کی حوصلہ افزائی کرتا نظر آئے گا

سورہ ہود کی آیت "**واستعمركم فيها**" کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ 'اس کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تم کو اس زمین کا آبادکار بنایا ہے، اس سے رزق حاصل کروگے، اس میں کاشت کروگے اور اس سے وہ تمام فائدے حاصل کروگے جو تمہیں اس سے اٹھانے چاہیے'

نیز اس سلسلہ میں حضرات ائمہ کرام کا

قرآن و حدیث کی روشنی میں عشری مسائل پر ایک ضخیم باب قائم کرنا اسکی کھلی ترجمانی کرتا ہے

زراعت کے سلسلہ میں اسلامی احکامات اور اس میدان میں مسلمانوں کی کارکردگی کی بات کریں تو مسلمان اس میدان میں کافی پیچھے ہیں آج ہماری اکثر زمینیں خالی پڑی خراب ہورہی ہیں حالانکہ زراعت گھریلو معیشت ہو یا ملکی دونوں میں اہم کردار اداء کرتی ہے

ہمارا مسلم معاشرہ اسکی دنیاوی افادیت اور دینی اہمیت سے بلکل کورا ہے مجھے تو خطرہ ہیکہ اگر بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے پہ ثواب کا وعدہ ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ قابل کاشت زمینوں کو جو کہ خدا کی عظیم نعمت ہے یوں ہی چھوڑ کر خراب کر دینے پر مواخذہ
ہوجائے اللہ تعالی ہر قسم کے مواخذہ سے ہماری حفاظت فرمائے آج ہمارا نوجوان طبقہ اپنا سارا وقت لغو کاموں میں صرف کرتا رہتا ہے اگر تھوڑی سی بھی توجہ اس جانب کر دے اور اس کام میں اللہ کی ذات سے ثواب کی امید رکھتے لگ جائے تو دینی اور دنیاوی فائدہ سے ایک کثیر حصہ اس کا مقدر بن جائے

اللہ تعالی ہم سبکو اصول صیحہ پر زندگی گزارنے والا بنائے

اداریہ ماہنامہ رسالہ فیضان اشرف ماہ دسمبر 2020

مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری
نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڈھ

تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے، آہ ! مولانا ابن الحسن عباسیؒ

بقلم :- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی

کل بتاریخ 14/ دسمبر 2020 بروز دوشنبہ عشاء کی نماز پڑھ کر کمرے میں آیا موبائل دیکھا تو انتہائی کربناک خبر سامنے آئی، کہ دنیائے فکر وفن کا تابندہ ستارہ، ادبی سلطنت کے فرمانروا،

پڑوسی ملک کے ممتاز اور جید عالم دین، اردو نثر نگار کے بے تاج بادشاہ، صاحب طرز انشاء پرداز، زبردست کالم نگار، اور عظیم مصنف وسحر انگیز اسلوب کے حامل بے باک صحافی مولانا ابن الحسن عباسی بھی کاروان عشق ووفا میں شامل ہو کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

یہ خبر صاعقہ آسمانی بن کر دل کے نشیمن پر گری اور پورے وجود کو اداسیوں کے تاریکیوں میں غرق کر گئی، طبیعت افسردہ ہو کر رہ گئی، ذہن سناٹے میں آگیا، قلب سے روح تک رنج والم کی لہر دوڑ گئی، نگاہوں کے سامنے مرحوم کی صورت میں علم وادب کا ایک بھرا پرا گلشن آباد تھا، آپ کی رحلت کے باعث جس کی فضائیں بے نور اور بے رونق محسوس ہو رہی ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مولانا ابن الحسن عباسی صاحب چمن زار فکر وفن کے وہ آفتاب تھے جس کی روشنی سے تین دہائیوں تک مسلسل فکر وتحقیق سے لے کر ادب و صحافت کی وادیاں جگمگا رہی تھیں، آپ کی ذات وہ انجمن تھی جس کے دم سے بے شمار ادبی و فکری محفلیں نہ صرف زندہ بلکہ شباب کی منزلوں پر بھی نظر آ رہی تھیں، آپ کا وجود وہ گل

سر سبد تھا جس کی خوشبو سے ادبی دنیا معطر تھی، فکر وفن کے دشت میں آپ وہ روشن مشعل تھے جس کی روشنی میں جذبات واحساسات اور نظریات کی تشریح کرنے والے مسافران ادب مسلسل منزلوں تک رسائی حاصل کرتے رہے،

مگر آہ۔۔۔ آج یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا جس کی کرنوں سے جہان ادب منور تھا، وہ مشعل خاموش ہوگئی جو بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کا پتہ دیتی تھی، وہ انجمن زیر وزبر ہوگئی

جہاں ادبی ستاروں کی پرورش ہورہی تھی، وہ پھول بکھر گیا جس کے دم سے ادبی گلشن مہک رہا تھا، علمی حلقوں سے لیکر ادبی نخلستانوں میں ایک شور ہے'کہ ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پر آٹھ آٹھ آنسو بہانے والے اور اس کے تنزل پر نالہ درد بلند کرنے والے اس عندلیب خوشنوا کی خاموشی سے محفل علم سونی ہوکر رہ گئی ہے، میخانہ نثر بے جان ہوگیا ہے، خیابان فکر وفن میں تاریکیوں کے بادل چھا گئے ہیں، جہان ادب کی فضائیں سوگوار ہو گئی ہیں، تدریس علم کی بزم لہو لہو ہے، اور وقت کی لوح پر تاریخ رقم کرنے والے ایک عظیم الشان قلم کا سفر یکلخت رک گیا ہے۔

حالیہ صدی میں جہاں اور دوسری شکل میں حوادثات کی کثرت اور مصائب کے ہجوم سے ملت اسلامیہ اضطراب کا شکار ہے'، وہیں بہت تیز رفتاری سے عالم بقا کی طرف اعاظم ملت کے سانحہ ارتحال نے اسے مایوسیوں کے گہرے بادلوں کے نیچے کھڑا کر دیا ہے'، ابھی چند ہی روز کی تو بات ہے'کہ امت نے مشہور محدث مفتی زرولی خان کی رحلت کا صدمہ برداشت کیا ہے'، مفتی سعید صاحب کی جدائی کا غم سہا ہے'، علامہ خالد محمود کی مفارقت کا رنج جھیلا ہے، آج اسی قافلہ حق وصداقت میں مولانا ابن الحسن عباسی بھی اس قدر عجلت

میں شامل ہوجائیں گے؟ دل کے کسی گوشے میں اس کا خیال تک نہیں تھا، وہ تقریباً چار ماہ سے بیمار تھے، عمر کا کارواں ابھی بڑھاپے کی سرحد سے بہت دور تھا،بلکہ اس منزل میں تھا جہاں بہت تیزی سے آسمانوں کی منزلیں سرہوتی ہیں،

لوح ایام پر عبقریت کے نقوش قائم ہوتے ہیں، اس لیے امید نہیں بلکہ یقین تھا کہ وہ صحت یاب ہوکر قرطاس وقلم کی انجمن میں پوری شان سے قدم رکھیں گے اور نئے ولولوں کے ساتھ کائینات فکر وفن کی وسعتوں میں اضافہ کریں گے، مگر اس فانی سرائے میں آپ کا وقت پورا ہوچکا تھا

قدرت کی طرف سے عطا شدہ لمحات کو کارآمد بنا کر اور قوس و قزح کی طرح سطح ذہن پر علوم کے صد رنگ نقش قائم کرکے آپ کی زندگی اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی، تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور فلسفۂ حیات کی تشریح کرنے والا وجود ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے کوچ کرگیا۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب سے ذہن اس وقت آشنا ہوا جب ادبی لحاظ سے شعور بالکل خام۔نہیں بلکہ بالکل بے روح وبے جان تھا، عربی سوم کا زمانہ تھا مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کی خوش نصیبی تھی کہ اسے قیادت کی صورت میں علمی وادبی خورشید حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی کی ذات میسر تھی،

ان کی عظمت اور ان کی فکری بلندی کا غلغلہ پڑوسی ملک میں بھی تھا اسی عظمت کے باعث وہاں سے کتابیں وافر مقدار میں آیا کرتیں اور طلباء میں تقسیم ہوتیں ،اس سال جو کتاب آئی مسلک حق وصداقت کے دفاع پر تھی،اور ترجمان اہل سنت حضرت مولانا ابو بکر غازی پوری کی کتاب،،لامذہبیہ کا اردو ترجمہ تھا، اور،،کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ،،

کے نام سے مرحوم ہی کے سیال قلم کا نتیجہ تھا، کتاب ہمیں بھی ملی اور چند روز میں پڑھ ڈالا، اس کے کچھ ہی دن بعد کتابوں کی درسگاہیں، سامنے آئی، شوق کی نگاہوں سے پڑھا، طبیعت اسلوب کی رعنائی، طرز ادا کی شگفتگی کی وجہ سے مسحور ہوگئی، پھر تو ان کی تحریروں سے اس قدر دلچسپی ہوئی کہ ان کی ایک اک کتاب کو کئی کئی بار پڑھا، خوبصورت استعارات اور دلنشین تعبیرات کو حفظ کرڈالا۔ طالب علمی کا وہ دن اور آج کا دن اس درمیان مرحوم کی عظمت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، نہ ہی ان کی تشریحات سے دلچسپی میں کوئی تبدیلی محسوس ہورہی، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے اظہار خیال کی عظمتوں کے راز کھلتے گئے اور ان سے دلچسپیاں دیوانگی کی صورت میں ڈھلتی رہیں۔ میری تحریروں میں اگر کچھ جاذبیت نظر آتی ہے تو اور ادبا کے علاوہ مولانا کی تحریروں کا بھی خاصا دخل ہے۔

مولانا مرحوم فیض رساں معلم بھی تھے اور مدرس بھی، وہ عربی زبان کے ماہر بھی تھے، اور درسیات پر عبور رکھنے والے جید عالم بھی، وہ عمدہ ترجمہ نگار بھی تھے، اور نصابی علوم کے شارح بھی۔

دلوں میں حرارت پیدا کرنے والے صحافی بھی تھے اور حالات پر گہری نظر رکھنے والے کالم نگار بھی، علوم و فنون سے مالا مال کرنے والے مصنف بھی تھے اور اسلاف کی زندگیوں اور ان کے نقش قدم کا پتہ دینے والے ایک اسکالر بھی۔ مگر جس چیز نے انہیں شہرت دوام عطا کی، سلطنت علم کا شہزادہ بنایا، کشور ادب میں فرمانروائی عطا کی وہ ان کے اظہار بیان کی قوت، اور جہان ادب پر ان کی لامحدود سیاحت ودسترس ہے۔

ان کے تخیلات کی بلندی، فکری وسعت، نظر کی گہرائی، اظہار خیال کی بے پناہ صلاحیت،

تخلیقی استعداد، طرز ادا کی رعنائی،اسلوب میں ندرت اور تشریحی عمل میں جدت نے انہیں عصر حاضر کے عظیم دانشوروں اور قد آور ادیبوں کی صف میں کھڑا کردیا ہے۔
طبیعت کا حسن،ذوق کی خوبصورتی اور مزاج کی پاکیزگی مولانا مرحوم کے پاس خداداد تھی انھوں نے ان صلاحیتوں کا اسلاف کی طرح استعمال کرکے زبان وبیان اور تشریح وتوضیح کے میدان میں قدم رکھا تو اس شان سے فتوحات کا علم بلند کیااور اس طرح انہوں نے لوح وقلم کی پرورش کی کہ ادبی دنیا کی مستند ہستیاں آپ کے سحر انگیز اور جدید اسلوب وآہنگ پر سر دھنتی رہ گئیں،
انھوں نے بے شمار مضامین لکھے،خاکے لکھے،حالات حاضرہ پر کالم نگاری کی، ملک سماج اور تہذیب وثقافت پر اظہار خیال کیا، کتابوں کے علم ریز تبصرے کیے، عالم اسلام کی زبوں حالی اور رؤساء عرب کی عیش کوشیوں اور برصغیر کے حکمرانوں کی غفلت شعاری کے نوحے لکھے،ترقی یافتہ دنیا کے مظالم کی داستان لکھی، غرض ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور اس انداز سے اٹھایا کہ علمی ذخائر کے ساتھ ساتھ ادبی کتب خانے بھی آپ کی شگفتہ تحریر سے مالامال ہوگئے، مولانا مرحوم کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے'کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کو ادبی پیرائے میں پیش کرنے کا نئی نسلوں میں رجحان پیدا کیا، انشاءپردازی اور تخلیقیت کی راہیں ہموار کیں، خوبصورت اسلوب کی طرف نوجوانوں کو مائل کیا،
اسلامی علوم کو اچھوتی تحریروں کے ذریعے اگر شبلی،حالی ،سید سلیمان ندوی عبد الماجد دریابادی، اور مناظر وآزاد نے اسلامی ادب کی بنا ڈالی ہے اور علم کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی زندگی بخشی ہے'تو تحریر کی اسی صفت کی بنیاد پر کہاجاسکتا ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی علوم کے مختلف موضوعات کو ادبی سانچے میں ڈھال کر مولانا مرحوم نے بھی

اسلامی ادب کو استحکام عطا کیا ہے۔ پاکستان میں روزناموں میں کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ،،الاسلام ،، ہے ایک عرصۂ تک مرحوم اس اخبار کے کالم نگار تھے،آپ کی خوبصورت اور معلومات افزاتحریر کی وجہ سے یہ اخبار مقبولیت کے آسمان کو چھونے لگا، اس میں شائع ہونے والی تحریریں جب،،کرنیں کے نام سے کتابی شکل میں آئیں، تو اس نے مقبولیت کی تاریخ رقم کردی،بے شمار تبصرے اس پر آئے

اس وقت کے صف اول کے ادیب و دانشوراور اردو زبان وادب کے دائرۃ المعارف سے ملقب مشفق خواجہ نے جو تبصرہ کیا تھا اس سے آپ کے ادبی وفنی مرتبے کو سمجھا جاسکتا ہے،خواجہ صاحب مرحوم لکھتے ہیں،، مولانا عباسی صاحب کی کالم نگاری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفریح طبع کے لئے نہیں بلکہ ایک نہایت سنجیدہ مقصد سے کالم لکھتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو عہد حاضر خصوصا عالم اسلام کے حالات سے باخبر رکھا جائے،نیز صہیونیت اور اس کے ہوا خواہوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ جو شرمناک سلوک ہورہا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے قومی شعور کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ ہر مسلمان موجودہ عالمی حالات میں اپنے دینی فرائض ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہوجائے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مولانا جو پیرایۂ اظہار اختیار کرتے ہیں وہ اردو صحافت میں ایک بالکل منفرد انداز رکھتا ہے ایسی سدا بہار ادبیت اخبارات کے صفحوں پر کبھی کبھی کبھار ہی نظر آتی ہے(کرنیں صفحہ نمبر 9)

واقعہ یہ ہے'کہ مولانا کی تحریروں میں وہ جاذبیت وہ سلاست اور موجوں کی وہ روانی نظر آتی ہے کہ قاری ایک بار جب ان کی تحریروں کے گلزار میں قدم رکھتا ہے تو تمام تر آسودگی کے باوجود اس کی تشنگی میں کمی نہیں آتی،کب کتاب مکمل ہوگئی اور کب موضوع

کا اختتام ہو گیا اسے احساس نہیں ہوتا ہے'،اور کسی زبان کی یہ سب سے بڑی اور بنیادی خوبی ہے'کہ وہ مطالعہ کے مسافر کو پابہ زنجیر کرلے، یہ صفت مولانا مرحوم کی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے،وہ آرٹ کا موضوع ہو یا سماجیات کا عنوان، امت کے نوحے ہوں یا اس کی پسماندگی کی دلخراش داستان، سائنسی علوم ہوں یا اخلاقیات کے پیغامات، درس نظامی کے خشک صحرا ہوں یا فلسفہ حیات کا دشت لامحدود۔ ہر میدان میں آپ کے علم ریز قلم کی رعنائیاں، اس کی شگفتگی،اس کی دلآویزی، اس کی سلاست اور اس کی فصاحت یکساں نظر آتی ہے۔امت کی حالیہ تصویر کشی کا یہ منظر لفظ وحروف کی صورت میں آپ بھی دیکھیں اور زبان پر قدرت وادب پر دسترس کا اندازہ کریں،، خیابانی لالہ کا یہ انتظار کب کا ختم ہوچکا ہے،لیکن عالم اسلام کے اجتماعی ضمیر پر بے حسی کی دھند برابر چھائی ہوئی ہے،عرب کے ریگزار ہوں یا عجم کے مرغزار،تصوف کا کوئی رومی،عمرانیات کا کوئی فارابی،طب کا کوئی ابن سینا،ریاضی کا کوئی عمر خیام،کیمیاکا کوئی جابر بن حیان،فلسفہ کا کوئی ابن رشد،فلکیات کا کوئی فرغانی، اندلس کا کوئی طارق ابن زیاد،سندھ کا کوئی محمد بن قاسم،میسور کا کوئی ٹیپو سلطان،طرابلس کا کوئی سنوسی،کوہ قاف کا کوئی امام شامل، عموریہ کا معتصم عرصہ سے نظر نہیں آرہا۔۔۔ایسے میں اگر نوحہ لکھا جائے،جاگے ہوؤں کو ڈرایا جائے،درد کا دیا جلایا جائے،احساس کی متاع لٹائی جائے تو اسے بھی ایک کام اور ایک فریضے کا اتمام کہا جاسکتا ہے (حوالہ بالا ص65)

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کے قلم سے مختلف موضوعات پر متعدد تصانیف منصہ شہود پر آئیں،اور علمی حلقوں سے لیکر ادبی محفلوں میں شوق کی نگاہوں سے پڑھی گئیں،

درس نظامی کے نصاب سے متعلق چھ جلدوں پر پھیلی ہوئی کشف الباری،توضیح الدراسۃ

شرح حماسہ،اور مقامات حریری کی شرح اور کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ،،نامی کتابیں عربی ادب اور فن حدیث میں جہاں آپ کی بالغ نظری کا روشن ثبوت ہیں، وہیں کتابوں کی درسگاہ میں، التجائے مسافر
،کرنیں ،مدارس ماضی حال مستقبل،متاع وقت اور کاروان علم،
اور داستان کہتے کہتے،،جیسی شاہکار کتابیں آپ کے صاف ستھرے ذوق، فکر کی بلندی اور علم کی رفعت کا پتہ دیتی ہیں،
یہ وہ کتابیں ہیں جن کی سطر سطر اردو زبان کا اعلیٰ نمونہ ہے، جن میں خشک موضوعات بھی دامن کہسار میں پھیلے ہوئے سبزہ زاروں کی مانند لہلہا رہے ہیں، کہیں کاروان عشق و وفا کے نقوش قدم نظر آتے ہیں، کہیں درویش خدا مست کی بے نیازانہ زندگیاں دلوں میں حرارت پیدا کررہی ہیں، اور کہیں عروج وارتقا اور قوموں کے ادبار واقبال کے زمزمے اور مرثیے ہیں، آپ کے قلم کی سحر انگیزی،خیالات کی رفعت اور اسلوب کے بانکپن کے حوالے سے آج سے غالباً دو سال قبل راقم نے ایک مختصر سی تحریر لکھی تھی،شوشل میڈیا کے ذریعے مرحوم تک پہونچی اور انھوں نے ادبی رسالے ماہنامہ النخیل میں اسے شائع کر کے قدر افزائی فرمائی،اس تحریر کا ایک اقتباس اس لیے پیش ہے'تاکہ ادبی حوالے سے ان کے قلم کی عظمت واضح ہوجائے،، ابن الحسن عباسی کی تصنیفات اپنی خوبصورتی،رعنائی،شگفتگی اور دلآویزی کی وجہ سے ادبی صنف میں نثری شہ پاروں کے تاروں میں مہتاب کی حیثیت رکھتی ہیں،کہ آدمی جب ان کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ کبھی خود کو شورش کی محفل میں تصور کرتا ہے'، کبھی عامر عثمانی کے جہان میں۔۔ کبھی اسے وہ تحریریں آزاد کی وادیاں معلوم ہوتی ہیں، کبھی حالی وشبلی کے دبستان صدرنگ کی پرکیف

فضا۔ کبھی ماہر القادری کا بانکپن محسوس ہوتا ہے تو کبھی دریابادی کے مخصوص لہجہ واسلوب کا چمن زار دلنواز۔۔۔غرض انھوں نے تمام صف اول کے ادیبوں کے امتیازی اوصاف کو اپنی تحریروں میں نچوڑ کر ایک نئے اسلوب کی دریافت کی ہے اور انفرادیت کا یہ نقش قائم کرنے میں وہ اس قدر کامیاب ہیں کہ اچھے اچھے شہرت یافتہ ادیب وانشاء پرداز ان کے اسلوب پر عش عش کرتے ہیں (ماہنامہ النخیل کراچی شعبان 1440)

مولانا ابن الحسن عباسی 1972 میں پیدا ہوئے اور 1993/ میں دارالعلوم کراچی سے فضیلت کی سند حاصل کی فراغت کے بعد جامعہ فاروقیہ کراچی سے تدریسی فرائض سے و ابستہ ہوگئے اور 2010/تک پورے انہماک اور استقامت سے ترویج علم میں مصروف رہے، اس دوران انہوں نے مستقل ادب وتخلیقیت کا چراغ جلائے رکھا اور سولہ سال تک ماہنامہ وفاق المدارس کی ادارت کی، ساتھ ساتھ ماہنامہ حیا ڈائجسٹ جس کے بانی وایڈیٹر بھی خود ہی تھے کے ذریعے اردو ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں، 2010/ میں کراچی ہی میں تراث الاسلام کی بنیاد رکھی دوسال قبل اس ادارے سے انھوں نے بڑے اہتمام سے ماہنامہ النخیل کا اجراء کیا تھا یہ رسالہ سابق رسالوں کی طرح بڑی تیزی سے ترقی کی راہ پر رواں دواں تھا ،حال ہی میں اس کا یادگار زمانہ شخصیات کے احوال مطالعہ،،نمبر نے اپنی انفرادیت اپنے غیر معمولی علمی ذخیرے، سینکڑوں شخصیات کے مطالعہ کی نفع بخش روداد نے علمی حلقوں میں ہلچل مچادی ہے'اس کا پہلا ایڈیشن لمحوں میں ختم ہوگیا اور دوسرا ایڈیشن بھی منظر عام پر آچکا ہے'

مولانا مرحوم کا یہ کارنامہ انتہائی گراں قدر اور زریں ہے۔ہندو پاک کی سینکڑوں شخصیات کے مطالعہ کی روداد اکٹھا کرنا کس قدر مشکل کام ہے'اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس

راہ سے گذرے ہوں۔لیکن مولانا دھن کے پکے تھے انھوں نے اس نمبر میں ستاروں کی ایک کہکشاں سجا دی ہے۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کا ایک نمایاں وصف فکر قاسمی و گنگوہی سے عشق ومحبت بھی ہے کہ اس معاملے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے،اسلاف دیوبند ان کی تحریروں میں جگہ جگہ کواکب کی طرح جگمگا رہے ہیں، ان کے قلم نے جہاں دوسرے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے'وہیں

اہل سنت والجماعت کا ہر موڑ پر مضبوط و مستحکم دفاع بھی کیا ہے'

مولانا مرحوم چار ماہ سے صاحب فراش تھے،اور ہاسپٹل میں تھے ،زندگی نے صرف اڑتالیس بہاریں دیکھی تھی کہ کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار ہوگئ اور بالآخر اسی مرض نے جسم سے روح کا رشتہ کاٹ دیا، اور وہ سیارہ فکر ونظر جس کی تنویروں سے بے شمار قصرہائے ادب کے بام ودر روشن تھے فنا کے کثیف بادلوں میں چھپ گیا، شاہ فیصل کالونی میں نمازِ جنازہ ادا کی گئ وقت کے سب سے بڑے محدث سب سے عظم فقیہ اور عالمی سطح پر سب سے قدآور عالم دین مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے ہزاروں علماء و صلحاء اور طالبان علوم نبوت کی موجودگی میں نماز پڑھائی اور بلدیہ ٹاؤن کراچی کی قبرستان میں اس گوہر گراں مایہ کو سپرد خاک کردیا گیا،

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا؛ تمھیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

عدم سے وجود اور وجود سے عدم کا سفر مسلسل جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، لیکن فنا کی سمت جانے والوں کا ہجوم خاموشی سے گذر جاتا ہے،بہت کم ایسی زندگیاں ہوتی ہیں۔

جن کی رحلت پر ایک عالم سوگوار اور دنیا اشکبار ہوتی ہے' انہیں منتخب افراد میں مولانا عباسی کی شخصیت بھی تھی جو موت کو گلے لگا کر بھی بے شمار لوگوں کے دلوں میں چراغوں کی صورت میں زندہ ہے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی۔

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی .
امام وخطیب مسجد انوار گوونڈی ممبئ
موبائل نمبر : 8767438283

سیکھوں اپنے بڑوں سے

بقلم :- مولانا زین العابدین کرناٹکی

مفتی تقی عثمانی صاحب نے درس ترمذی میں کسی چیز کو غلط کہنے کے لئے لفظ غلط کا استعمال نہیں کیا۔ بلکہ صحیح نہیں ہے۔ درست نہیں ہے۔ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس اسلوب سے بھی قاری پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ درس ترمذی کی تمام جلدوں میں لفظ غلط میرے نظر سے نہیں گذرا۔ اس بھی بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

ایک یادگار ولیمہ

بقلم :- مولانا شیخ محمد خالد اعظمی قاسمی

بچپن کا دور گزرنے کے بعد جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ہر جنس قوی و صنف نازک کے دل میں ایک خوبصورت خواہش جنم لینے لگتی ہے دونوں ایک شہزادی اور شہزادے کا خواب دیکھنے لگتے ہیں ایک ایسے ہمسفر کا خیال دل میں انگڑائی لینے لگتا ہے جس کے ساتھ وہ اپنی آگے کی زندگی کے سفر کو پر کیف لمحات میں تبدیل کر سکیں.

دونوں ایک دوسرے کو پیار کریں اور ٹوٹ کر چاہیں

اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوں

دونوں ایک دوسرے کا لباس ہوں

یہی دستور دنیا ہے اور قانون قدرت بھی اور فطرت کا تقاضا بھی اور یہی تکمیل ایمان کا ذریعہ بھی ہے تقریباً تمام انبیاء کرام خصوصاً پیارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی پیاری سنت بھی ہے.

اسی رشتہ کی بنیاد پر نسل انسانی کا سلسلہ جاری ہے اور تاقیامت جاری رہیگا

یقیناً اسی قسم کا خواب ہر دلعزیز گروپ ممبر مولانا صادق صاحب نے بھی دیکھا ہوگا

ایسا احساس ان کے دل میں بھی بیدار ہوا ہوگا

اور معتبر ذرائع سے معلوم بھی ہوا کہ انھوں نے اس کیلیئے کافی کوششیں بھی کیں تحریک بھی چلائی ریاضتیں بھی کیں گھر والوں پر پریشر بھی بنایا اور اعلان کردیا کہ جلد از جلد کسی رفیقہ سفر کا انتظام کیا جائے ورنہ بھوک ہڑتال پر بیٹھ جاوں گا

اہل خانہ نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان کے شدید احتجاج کے سامنے سپر ڈال دیا اور ان کی خواہش کی تکمیل کی جن کا انھیں برسوں سے انتظار تھا وہ انتظار ختم ہوا اور 19 دسمبر 2020 سنیچر کا وہ خوبصورت اور یادگار دن آہی گیا جب انھیں ان کے خوابوں کی تعبیر مل گئی برسوں کی ریاضت کا پھل سامنے آیا اور وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے..

بارک اللہ لہ و بارک علیہ و جمع بینہما فی خیر.

اس خوشی اور مسرت کے موقع پر وہ اپنے دوست و احباب کو کیسے فراموش کرسکتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے تمام دوستوں کو ولیمہ میں شرکت کیلئے مدعو کیا

پاسبان جو ایک خاندان کی طرح ہے جس کے وہ رکن ہیں جھارا دعوت دیدی کچھ لوگوں کو پرسنل پر دعوت دی

ناچیز کو بھی انھوں نے پرسنل دعوت دی تھی یہ ان کی محبت ہے

ناچیز نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دعوت قبول کرلی اور شرکت کا وعدہ بھی کیا

20 دسمبر کو یعنی کل گزشتہ ولیمہ تھا

صبح سے ہی فضا کہر آلود تھی ٹھنڈک اپنے شباب پر تھی صبح میں ایسا لگ رہا تھا کہ شرکت مشکل ہوگی

لیکن کچھ ایسی کشش تھی جس نے سفر پر آمادہ کردیا ٹھنڈک سے بچنے کیلئے جتنے حفاظتی اقدامات ہوسکتے تھے اسے پورا کیا اور گھر سے ساڑھے دس بجے بائک سے مسجدیا کیلئے نکل پڑا دیوگاؤں پہونچتے پہونچتے بالکل کلفی ہوگیا اس لئے دیوگاؤں سے بای بس روانہ ہوا مولانا قاسم صاحب سے پہلے ہی طے ہوگیا تھا کہ وہ پھریہا آجائیں وہاں سے ساتھ میں چلیں گے انھوں نے بتایا کہ مولانا منصور صاحب اپنی گاڑی لیکر آرہے ہیں میں سراے

میر سے ان کیساتھ آؤنگا اور پھریہا آپ کو رسیو کرلیا جائے گا یہ سنکر بہت خوشی ہوئی
بندہ اپنے دیئے ہوئے وقت سے پہلے ہی پھریہا پہونچ گیا
آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد وہ حضرات پھریہا آگئے اور پھر وہاں سے ہم لوگ مسجدیا کیلئے روانہ ہوگئے
ظہر سے کچھ پہلے مسجدیا پہونچے..
کافی دوست و احباب پہلے سے جلوہ افروز تھے
پہونچتے ہی سب سے ملاقات ہوئی
کھانے کی کئی شفٹ ہوچکی تھی ہمیں انتظار نہیں کرنا پڑا اور فوراً کھانے کے ٹیبل پر پہونچا دیا گیا.
کھانے کے دوران ایک صاحب فوٹو لے رہے تھے دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ مولانا واصل صاحب ہیں وہی یہ کام کرسکتے ہیں
میرے بازو میں مولانا قاسم صاحب تھے وہ مجھے سمجھ کر ان کا فوٹو لے رہے تھے
کیوں کہ ابھی تک ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی
اس لئے انھیں غلط فہمی ہوئی
انھوں نے بعد میں بتایا کہ میں نے آپ کو سمجھ کر ان کا فوٹو لیا تھا میں نے کہا پاسبان کی ترجمانی اتنا دبلا پتلا، ہلکا پھلکا شخص کیسے کرسکتا ہے؟
اس پر لوگ ہنس پڑے..
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ظہر کی نماز باجماعت ادا کی گئ
اس کے بعد پاسبانی احباب کیساتھ تھوڑی دیر نشست رہی ہے

مولانا بلال احمد صاحب نے اپنی سحر انگیز آواز میں ملک زادہ منظور کی ایک خوبصورت غزل سنائی جس سے نشست یادگار بن گئی...

پاسبان علم و ادب کے بہت سے ممبران سے اس ولیمہ میں پہلی بار بالمشافہ ملاقات ہوئی جن میں مولانا مفتی احمد صاحب، مولانا بلال صاحب مولانا واصل قابل ذکر ہیں

مولانا صادق صاحب سے بھی پہلی ملاقات تھی

ماشاءاللہ یہ لوگ باہم شیر و شکر ہیں اور اچھے دوست ہیں

مولانا واصل صاحب تو صرف ولیمہ میں شرکت کیلئے دیوبند سے تشریف لائے تھے اس سے دونوں کے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

مولانا واصل صاحب کی شخصیت انتہائی پر کشش ہے یہ اپنی انوکھی حرکتوں سے پہچان لئے جاتے ہیں کہ یہی مولانا واصل صاحب ہیں کافی چلبلے ہیں

فی الحال دیوبند میں افتاء کررہے ہیں

مفتی احمد صاحب ایک باوقار اور سنجیدہ طبعیت کے مالک ہیں موصوف اس وقت بہت بڑا کام کررہے ہیں

سیرت کے موضوع پر ان کی قسط وار تحریر آرہی ہے یہ تحریر مکمل ہونے پر اس کا انگلش میں ٹرانسلیٹ کریں گے

ہندوؤں کی جانب سے اسلام پر جو اعتراضات ہیں چالیس پینتالیس اعتراض انھوں نے جمع کرلیا ہے اور سب کا جواب لکھنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے

اور زیادہ سے زیادہ ان سے اپنے دین کی خدمت لے

مولانا بلال صاحب بھی بہت سنجیدہ صحت مند اور ہنس مکھ طبیعت کے مالک ہیں
المعہدالعالمی الاسلامی حیدرآباد سے افتاء کرنے کے بعد مرکز المعارف ممبئی میں انگلش کورس کررہے ہیں
مولانا اظفر صاحب سے کون ناواقف ہوگا ماموں کے حقیقی بھانجے ہیں
دارالعلوم دیوبند سے فضیلت اور دارالعلوم حیدرآباد سے افتاء کے بعد جامعہ ازہر مصر میں مزید علمی تشنگی بجھا رہے ہیں فی الحال گھر پر ہیں جلد ہی دوبارہ مصر جانے والے ہیں
اللہ ان کے مقاصد میں کامیاب فرمائے..
ولیمہ میں مولانا صادق صاحب کی خوشی دیدنی تھی معلوم نہیں یہ خوشی دوستوں سے ملاقات کی وجہ سے تھی یہ خوشی کی وجہ دیرینہ خواب کی تعبیر تھی؟
میرے خیال میں چہرے سے دونوں خوشیاں ظاہر تھیں
اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ خوش رکھے اور ان کے والدین کو بھی سلامت خوش رکھے
ان کے دوستوں میں اب صرف مولانا واصل صاحب اور مولانا مفتی احمد صاحب کے خواب شرمندہ تعبیر ہونا باقی ہیں دونوں بیچارے مولانا صادق صاحب کو حسرت سے دیکھ رہے تھے.
مولانا صادق صاحب اپنے مشہور بازار نظام آباد میں ٹائلس وغیرہ کی کامیاب دوکان چلا رہے ہیں اللہ ان کے کاروبار میں برکت عطاء فرمائے.
ان کے علاوہ مفتی اجود اللہ صاحب ،حاجی بابو، مولانا عبید الرحمن شیروانی صاحب مولانا سلمان صاحب مولانا عبداللہ صاحب
مفتی عاصم کمال صاحب مولانا انظر صاحب، مولانا وسیم احمد قاسمی شیروانی صاحب استاذ جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور وغیرہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا....
بہت سے لوگوں کو پہچان نہیں سکا اس لئے ان کا نام نہیں لکھ سکا

مولانا منصور صاحب نے جونپور کی ترجمانی کی حاجی بابو نے مئو کی نیابت کی اعظم گڑھ کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی
تین ضلع کے لوگوں نے ولیمہ میں شرکت کی
اس طرح اس ولیمہ کو ایک یادگار ولیمہ اور شادی کو تاریخی شادی کہا جاسکتا ہے....
اللہ تعالیٰ مولانا صادق صاحب کی شادی میں خوب خوب برکت نازل فرمائے
زوجین میں الفت و محبت پیدا فرمائے
دونوں جہان کی خوشیاں نصیب فرمائے
جملہ شرور فتن سے محفوظ فرمائے..
اب کافی وقت ہوچکا تھا اور ہم لوگوں نے نہ چاہتے ہوئے واپسی کا ارادہ کیا
مسجدیا ہی میں ناچیز کے ایک دیرینہ شناسا حافظ جلال الدین صاحب ہیں جو اس وقت کینسر کے مہلک مرض میں مبتلا ہیں ان کی بھی عیادت کی اللہ تعالیٰ ان کی تکلیف کو دور فرمائے اور ہم سب کو تمام مہلک بیماریوں سے محفوظ فرمائے..
بندہ کو محمد پور میں مفتی اشرف صاحب سے ملاقات کرنی تھی
مولانا منصور صاحب نے اس ملاقات کو آسان بنایا مسجدیا سے ہم لوگ محمد پور آگئے ان سے ملاقات ہوئی تھوڑی دیر ان کی دوکان پر بیٹھے کچھ باتیں ہوئیں اور وہاں سے رخصت ہوئے مولانا منصور صاحب مولانا قاسم صاحب دونوں سرائے میر چلے گئے اور بندہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا اور مغرب بعد گھر پہونچا
اللہ تعالیٰ مولانا منصور صاحب اور مولانا قاسم صاحب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے..
پاسبان کی دو عظیم شخصیت ماموں جان و ڈاکٹر ارشد صاحب جنکی شرکت متوقع تھی لوگ ان کا شدت سے انتظار کررہے تھے لیکن اپنی مصروفیت کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے۔

ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل

بقلم :- مولانا واصل اعظمی قاسمی

ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے بعد یوں تو بہت سارے لوگ ملے
کتنوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا
ان گنت لوگوں کے ساتھ کھیلنا کودنا رہا
مگر ان سارے لوگوں میں جو شخص سب سے نمایاں رہا
جس سے ملنے کے بعد لگا کہ سالوں پرانا تعلق ہو
وہ شخصیت مولانا صادق اعظمی کی ہے
مولانا صادق نظامی صاحب کی شخصیت یوں تو گونا گوں صفات سے متصف ہے مگر ان کا سب سے نمایاں وصف ان کی تحریر وخطابت ہے
دارالعلوم کی سب سے مقبول و محبوب انجمن *انجمن تقویۃالاسلام شعبہ مناظرہ* مولانا صادق نظامی صاحب کی اس خصوصیت کی غماز ہے
دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا دہلی چلے گئے اور میں وہیں رہا
مگر بھلا ہو فیسبک کا کہ جس نے ہر پل مولانا صادق نظامی سے جوڑے رکھا
وقت گزرتا رہا
گزرتے گزرتے کورونا آیا پھر لاک ڈاؤن پھر ان لاک پھر ثناء خان اور مولانا انس بھی آئے
آتے جاتے دسمبر بھی آن پہنچا
اور میں افتاء کرنے کے لئے جامعہ الشیخ حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ دیوبند میں داخلہ لے چکا تھا

ایک دن مولانا صادق نظامی صاحب کا واٹسپ پر میسیج آیا کہ

کب آرہے ہو ؟؟

یاد آیا کہ بیس دسمبر کو موصوف کا ولیمہ ہے

اس وقت دو تین ہفتے باقی تھے

کوئی ارادہ نہیں تھا

ٹھنڈ بھی بڑھ چکی تھی

اور فاصلہ بھی زیادہ تھا

اور بھی کچھ دشواریاں تھیں

پھر ایک دن گروپ میں مولانا کا میسج دیکھا کہ اہل پاسبان کی جہارا دعوت ہے

مزید کہ اہل پاسبان شرکت بھی کریں گے

پاسبان میں میری شمولیت کو کافی عرصہ ہو چکا تھا اور اہل پاسبان سے اچھا خاصا تعارف بھی ہو چکا تھا

کچھ حضرات سے ملاقات بھی ہوئی

مگر جن سے ملنے کا زیادہ شوق تھا ان میں ماموں جان حضرت مولانا اکرم صاحب جونپوری ترجمان پاسبان حضرت مولانا خالد صاحب اور حضرت مولانا ڈاکٹر ارشد صاحب قاسمی سر فہرست ہیں

ماموں جان سے ملنے کا شوق جھکہاں میں پورا ہو گیا

اللہ جزائے خیر دے مولانا اظفر صاحب اعظمی ازہری کو جو ماموں جان سے ملاقات کا سبب بنے

مگر ترجمان صاحب اور ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا شوق برقرار رہا

اللہ کا کرم ہوا کہ اس شوق کی تکمیل کا موقع فراہم کر دیا
اور وہ موقع مولانا صادق نظامی صاحب کے ولیمہ کی تقریب تھی
بہر حال سہارن پور سے جونپور تک کے لئے بیگم پورہ ایکسپریس سے ٹکٹ بنوایا اور انیس دسمبر کو گھر پہونچ گیا
بیس دسمبر کو ولیمہ میں شرکت ہوئی
جہاں ترجمان صاحب سے ملاقات ہوئی
پاسبان کے اور بھی بہت سے لوگ شریک تھے
ترجمان صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی
ایک خاص واقعہ بھی پیش آیا جس کو ترجمان صاحب نے اپنے سفرنامے میں بیان کر دیا ہے
ولیمہ سے واپسی پر جامعہ عزیزیہ سہریا بھی جانا ہوا
ولیمہ میں شرکت کے بعد پتا چلا کہ ڈاکٹر صاحب شرکت سے معذور ہیں
گروپ میں تو ڈاکٹر صاحب نے پہلے ہی شرکت سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا مگر تب بھی ایک امید تھی کہ ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب آجائیں
بہر حال ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا شوق برقرار ہے
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس شادی میں برکت دے
نیک صالح اولاد کا ذریعہ بنائے
ارادہ تھا کہ دو تین میں دیوبند واپسی ہو جائے گی مگر ٹکٹ نا ملنے کی وجہ سے نا جا سکا
آج کیفیات ایکسپریس سے واپسی ہے
غازی آباد اترنا ہے پھر وہاں سے بس یا ٹرین کے ذریعے دیوبند
تمام احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔۔۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو..

بقلم :- مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی

ہر انسان اپنے اندر یادوں کا اک جہاں آباد رکھتا ہے جیسے ہی کچھ نشانیاں سامنے آتی ہیں یادوں کے خزانوں سے اس کا اک حصہ کھلی کتاب بن کر سامنے آ جاتا ہے پھر آدمی ورق در ورق اس کے مطالعہ اور غور و فکر مین کھو جاتا ہے، اس کے اندر بکھری ہوئی موتیوں سے محظوظ ہوتا ہے یا پھر اس کی کسک اور درد سے چور چور ہوجاتا ہے، عقلمند عبرت و نصیحت اور حوصلہ پاتا ہے، ناعاقبت اندیش چپکے چپکے رات دن آنسو بہاتا رہتا ہے، بندہ کو بھی آج میرے پیارے اور چھوٹے بھائی جیسے محمد اظہر انور سلطان پوری کی آواز میں قاری صدیق صاحب باندوی رح اک نعت سننے کا اتفاق ہوا جس نے 18 /19 سال پہلے کے دور میں پہنچا دیا، جب حضرت الاستاد مولانا اعجاز احمد اعظمی رح بقید حیات تھے، مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ اپنے عروج پہ تھا، مدرسہ کی خوبصورت مسجد میں جمعرات کے دن وقت مقررہ پہ طلباء کلمات ناصحانہ سننے کے لئے موجود ہوتے اور پھر حضرت الاستاذ کی آمد پہ ضیاء الحق نامی طالب علم اپنے مخصوص طرز پر قاری صدیق رح کی نعت گنگنا شروع کرتے _

کسی کی دعا کا اثر دیکھ آئے
مدینے کی شام و سحر دیکھ آئے

دیکھتے دیکھتے حضرت الاستاذ کی ہچکی بندھ جاتی بے خود ہوجاتے حضرت الاستاذ کے ساتھ

ساتھ مجلس میں بیٹھے کیا چھوٹے کیا بڑے ہر ایک کی آنکھ بھیگ جاتی، مجلس پر رونق ہو جاتی، ایسا لگتا تھا کہ دل پر کتنا بوجھ تھا جو اب اتر گیا، اس وقت اتنا شعور کہاں ہوتا تھا کہ اشعار کی کچھ معنویت سمجھ میں آتی مگر حضرت الاستاذ کی مدینہ اور شہ بحر و بر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشاری کا عالم کچھ نہ کچھ تو ضرور احساس کراجاتا،ہم سب بزم کے اختتام پر اپنے اپنے کمروں میں یا گھروں کو چلے تو جاتے لیکن اس کا اثر بہت دیر تک رہتا..

اللہ تعالی حضرت الاستاذ رح کو ان کے شایان جزائے خیر عطا فرمائے ان کو قبر حشر ہر جگہ سرخ روئی سے نوازے آمین

صحبت صالح ترا صالح کند

بقلم :- مولانا منصور احمد جونپوری

بڑی حد تک ماحول انسان کے اخلاق وعادات پر مؤثر ہوتے ہیں ۔

نیکی، سچائ، پاکیزگی کی خوشبو سے معطر ماحول خلیق کو اور خلیق ،اور بد خلق کو بااخلاق بنانے میں معین ہوتا ہے ۔

ٹھیک اسی طرح برائ ،جھوٹ فریب، گندگی کا ماحول شریر کو مزید شر پر آمادہ کرتا ہے ،

نیز پاکیزہ اخلاق والے کو شر کی جانب مائل کرتا ہے۔

اسی لئے صادقین و صالحین کی صحبت اختیار کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ انکے زیر اثر ہمیں اعمال حسنہ کرنے میں سہولت ہو

بدی کے ماحول سے ہمیں بچنے کا حکم ہے تاکہ انکے اثرات و اخلاق بد ہمارے اندر سرایت نہ کر جائیں۔

تشہیری ذوق

بقلم :- مولانا عبد الحمید نعمانی قاسمی

جو لوگ تشہیری ذوق و لذت میں پڑ چکے ہیں ان کے لیے یہ ناممکن ہوتا ہے کہ میڈیا اور عوامی مقبولیت سے خود کو دور رکھ سکیں، ہمارے ہاں جو بہت سے کام نہیں ہو پاتے ہیں یا رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں ان میں تشہیری ذوق کا بڑا دخل ہے، مولانا کلیم صدیقی صاحب نے غیر ضروری طور سے ایک شخصی معاملے پر توجہ دی، ہم میں ابھی تک یہی شعور پیدا نہیں ہو پایا ہے کہ کس چیز کی تشہیر کرنا چاہیے اور کس بات کی نہیں،
ماسکو سے انجینئرنگ کرنے کے بعد سوامی بنے جارح اتی نرسمہا نند سرسوتی ایک دن کہنے لگے کہ ہم کلیم صدیقی، طارق جمیل، سلمان ندوی، سجاد صاحبان کو غور سے سنتے ہیں، گیتا کے ساتھ قرآن بھی پڑھتے ہیں، ہمیں پتا ہے کہ تبلیغ والے اور مولانا لوگ کیا کہتے اور کرتے ہیں،
اس تناظر میں ہم سب کو سمجھنا چاہیے کہ کیا کہنا اور لکھنا چاہیے، دعوت دینا الگ بات ہے لیکن اس کا پرچار بالکل الگ بات ہے، طوائفوں کو بھی خیر کی دعوت دی جائے لیکن ان کے ہاں جانے کی تشہیر کوئی راست رویہ نہیں ہے

2020/12/2، عبدالحمید نعمانی ،

انمول موتی

بقلم :- پاسبانی احباب

(1) اچھے اور عمدہ اخلاق اور اوصاف وہ کردار ہیں جن کی قوت اور درستی پر قوموں کے وجود، استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے.

مولانا فضل محمود فلاحی صاحب

(2) دوسروں سے امپریس ہونا چھوڑدیں کیوں کہ سامنے والے میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو آپ کے اندر موجود نہیں،فرق بس اتنا ہے کہ وہ اپنے ہنر سے واقف ہے اور آپ ابھی تک خود کو ٹھیک سے جان نہیں پائے

مولانا عبد الحکیم امبیڈکر نگر

(3) ہم تو اس قدر بے بس و مجبور ہیں بلکہ مفلوج ہیں کہ چائنا کے بنے مصلی پر نماز ادا کرنے پر اور انکے دانوں پر تسبیح پڑھنے پر مجبور ہیں

مولانا ڈاکٹر ارشد قاسمی صاحب

(4) علماء کی مجالس اور صلحاء کی مصاحبت کو اپنی زندگی میں باقی رکھتے ہوئے اپنے عمدہ اخلاق و اوصاف کے ساتھ تجارت کریں تو ضرور کامیابی حاصل ہوگی ان شاء اللہ

مولانا عبداللہ اعظمی

(5) زندگی ایک کتاب ہے، پہلا صفحہ پیدائش، آخری صفحہ موت " درمیانی صفحات خالی، اس میں جو پسند ہو لکھیں ،،بس ایسا کچھ لکھیں کہ "اللہ"کو دکھاتے ہوئے شرمندگی نہ ہو۔

مفتی شاکر نثار المدنی

غــــــزل

بقلم :- مولانا مسیح الدین نذیری پورہ معروف مئو

گر کسی کام میں ہم جیسے...... دوانے لگ جائیں
ہوش مندوں کے وہیں ہوش ٹھکانے لگ جائیں
جو بظاہر مرے اپنے ہیں........ بلندی پہ مری
اک ذرا وقت ملے اور....... گرانے لگ جائیں
خواب میں بھی اسے روٹھا ہوا دیکھیں جو کبھی
اتنے حساس ہیں ہم صبح..... منانے لگ جائیں
یہ جو تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں سب لوگ
اٹھ کے جاؤں تو ابھی عیب گنانے لگ جائیں
پاس آجائے جو دولت تو یہ بیزار سے لوگ
مجھ سے رشتے کی بندھی ڈور بتانے لگ جائیں
ہم نے کاٹا ہے خموشی سے.... دکھوں کو ایسے
ان پہ اک روز پڑے شور مچانے لگ جائیں
دیکھ بھال ان سے مرے زخم کی کیسے ہوگی
جن کو تکلیف سمجھنے میں... زمانے لگ جائیں
دل جلانے کا انھیں حق ہے **نذیری** لیکن
کیا ضروری تھا کسی اور کے شانے لگ جائیں

ائمہ مساجد اور خدام مساجد سے ایک مؤدبانہ گذارش

بقلم :- مولانا محمد عامر صاحب

فرض نماز کی ادائیگی کیلیئے مختلف علاقوں کی کئی مساجد میں جانا ہوا ، اور بندہ کا یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی کسی علاقہ کا سفر ہوتا ہے تو کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ ہر نماز الگ مسجد میں ادا ہو تاکہ ائمہ مساجد سے ملاقات بھی ہو اور الگ الگ حسن صوت سے مستفید ہو،

بہت سی مساجد میں دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ منبر جس پر امام خطبات مسنونہ کے مابین جلسہ کرتا ہے یا وعظ وبیان کرتا ہے، اسی منبر پر مصاحف ، احادیث کی کتابیں اور دیگر کتب اسلامیہ رکھی ہوئی ہوتی ہیں،

جوکہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، کہ جو جگہ بیٹھنے کیلیئے مختص ہے اسی پر ان مقدس کتب کو رکھا جائے۔

لہذا ہم اپنی مساجد میں اسکا خیال رکھیں ، اور دھیان دیں ، ہم احتیاط سے کام لیں گے تو مصلیان مسجد بھی خیال رکھیں گے ۔

فقط خادم مسجد

محمد عامر شیخ

بروز جمعہ 04 دسمبر 2020

تبصرہ

بقلم :- مفتی محمد عاصم کمال الاعظمی

تفہیم المنطق : فن منطق
مؤلف : مفتی محمد صالح قاسمی،ندوی اعظمی ، استاد حدیث وفقہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی
زبان : اردو
ضخامت کتاب : 144 صفحات
ناشر : ادارہ تسہیل و تحقیق ہتھوا باندہ
تبصرہ نگار : محمد عاصم کمال الاعظمی ، ایڈیٹر رسالہ پاسبان اعظم گڑھ

تفہیم المنطق : یہ کتاب فن منطق کی بنیادی کتابوں:مرقات، شرح تہذیب وغیرہ کی تسہیل وتعریف کے لیے ہے، بالخصوص مرقات میں وارد اصطلاحات کا اردو زبان میں سلیس ترجمہ اور ان کی جامع تعریف ہے، اگرچہ یہ کوئی شرح یا حل کتاب نہیں ہے؛ البتہ اس کتاب کا اصل مقصد فن منطق کے تمام اصول و قواعد اور ان کی جزوی وکلی تعریفات اور بحثوں کو آسان فہم انداز میں پیش کرنا ہے، اور علم منطق سے پیدا شدہ وحشت اور دوری کو ختم کرکے اس کی افادیت کو دوام بخشنا ہے۔

امتیازات و خصوصیات : فاضل مصنف درس نظامی کے مقبول ومستند اور قدیم تجربہ کار استاد ہیں، انھیں نصابی کتابوں کی پیچیدگیوں اور ان کے حل کا بخوبی اندازہ ہے، انھیں فن منطق کے حوالےسے اپنے طلبہ ساتھیوں کی دقتوں اور نامناسبتوں کا بھی خوب ادراک ہے، اس لئے انھوں نے انداز بیان میں جدت اختیار کرنے کے ساتھ اس کو محسوس ومشاہَد بنانے کی بھرپور

کوشش کی ہے، اس کتاب کا یہ بھی امتیاز ہے کہ:صاحب کتاب نے قدیم مثالوں کے بجائے جدید اور زیراستعمال اشیاء کے ذریعے تمثیل پیش کی ہے(جو منطق پر ان کی گہری گرفت کی واضح دلیل ہے) اسی طرح آسان فہم انداز میں قواعد پیش کرنے کے ساتھ ہر قاعدہ کو مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے، در حقیقت یہ کتاب اسم بامسمٰی ہے، اور طلبہ منطق کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے؛دلیل کے طور اس مجموعہ سے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں:

مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) : **"مصنف کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دلچسپ انداز تحریر اور زندہ ومتحرک مثالوں کے ذریعے فن منطق کو جسے عام طور پر خشک اور بے فیض فن سمجھا جاتا ہے، ایک دلچسپ، جاذب نظر، زندہ اور بافیض فن بنا کر پیش کیا ہے، اس کتاب کے ذریعے منطق کا طالب علم یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علم منطق کا تعلق ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہے"**

مفتی عبیداللہ الاسعدی صاحب(استاد حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ) : **"زیر نظر کاوش ایک دشوار گزار عقلی فن سے متعلق ہے؛ مگر زبان وبیان اور تمثیل وتوضیح میں جدت وندرت سے آراستہ ہے"**

قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی (ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) : **" یہ مجموعہ داخل نصاب کرنے کا حق دار ہے۔**

اسی طرح دیگر اکابر علماء:مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب استاد حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا سید نفیس اکبر صاحب رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث باندہ، اورمولانا عتیق الرحمٰن بہرائچی صاحب نے فن منطق کے طلبہ کے لیے اس کتاب کو بے حد نفع بخش اور قیمتی عطیہ بتایا ہے۔

برائے رابطہ : 9919238197,9058658155

کار ایکسیڈینٹ

بقلم :- مولانا محفوظ احمد، ریاض

صبح کے آٹھ بج رہے ہیں، گھر سے آفس کے لئے نکل چکا ہوں، کار ایک معتدل رفتار کے ساتھ ہائی وے پر چل رہی ہے، دو تہائی راستہ طے ہو چکا ہے، دائیں بائیں، آگے اور پیچھے گاڑیوں کا ایک ہجوم ہے، جمعہ اور سنیچر دو دن کے وقفہ کے بعد تازہ دم ہو کر لوگ اپنے اپنے آفیسز، سائٹس اور تلاش معاش کی فکر میں دیگر جگہوں کے لئے رواں دواں ہیں۔
اچانک ایک تیز جھٹکے کی وجہ سے گاڑی سے کنٹرول کھو جاتا ہے اور وہ بے اختیار آگے کی طرف بڑھ جاتی ہے، قریب تھا کہ سامنے چل رہی گاڑی سے ٹکرا کر کسی بڑے نقصان کا سبب بن جائے لیکن معا بعد ہی پوری بے دار مغزی اور چشتی و فرتی کے ساتھ کنٹرول کرتے ہوئے سڑک کے کنارے پارک کیا، دیکھا تو پیچھے والی گاڑی کی رفتار بھی سست ہو چکی تھی اور ایمرجینسی لائٹ اس بات کی غماز تھی کہ حادثہ کا سبب یہی گاڑی ہے، معلوم ہوا کہ اس گاڑی کے ڈرائیور نے کسی وجہ سے اپنا کنٹرول کھو دیا، نتیجتا اس کی گاڑی اپنے آگے چل رہی ہماری گاڑی کے ساتھ زور دار طریقہ سے ٹکرا گئی اور ایکسیڈینٹ واقع ہو گیا۔ گاڑی پارک کر کے باہر نکلا، دیکھا تو گاڑی کا پچھلا حصہ ایک حد تک خراب ہو گیا تھا اور ان کی گاڑی کا اگلا حصہ کچھ زیادہ خراب تھا، وہ صاحب بھی باہر آئے،وہ ایک پچپن سالہ منحنی نوجوان تھے، علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھا کہ * انت مؤمّن یا عمی؟ * آپ کے پاس انشورینس ہے چچا؟ نعم، جی ہاں انہوں نے کہا۔ میں نے کہا کہ غلطی کس

کی ہے یہ تو ٹریفک پولیس طے کرے گی، آپ بیٹھیے، میں ان کو کال کرتا ہوں، وہ ایک طرف بیٹھ گئے، میں نے ٹریفک ڈیپارٹمنٹ کے آفیشل نمبر پر کال کی، دعاء و سلام کے بعد پہلے انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں تو محفوظ ہیں؟ کوئی زخمی تو نہیں ہوا؟ ہاسپٹل جانے کی ضرورت تو نہیں ہے؟ میرے جواب پر کہ نہیں الحمد للہ ہم لوگ محفوظ ہیں، انہوں نے بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر مجھ سے جائے حادثہ کا نام اور شہر معلوم کیا پھر بولے کہ آپ وہیں انتظار کریں ابھی ریاض کا ٹریفک ڈیپارٹمنٹ آپ سے رابطہ کرے گا۔ میں نے ابھی کال ڈسکنیکٹ ہی کی تھی کہ ان کا فون آ گیا، لوکیشن معلوم کئے اور دس منٹ کے اندران کی طرف سے ایک ذمہ دار شخص حاضر ہوا، موقع کا جائزہ لیا، دونوں گاڑیوں کی تصویریں لی، پوچھا کہ ایکسیڈینٹ کیسے پیش آیا، میں نے صورت حال بتائی کہ میں آگے چل رہا تھا اور یہ چچا محترم میرے پیچھے، سامنے اسپیس کم ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی رفتار کم کی اور پھر پیچھے سے آپ کی گاڑی میری گاڑی سے ٹکرا گئی۔ یہ باتیں سننے کے بعد اس نے دونوں لوگوں کی گاڑی کے کاغذ ت اور ڈرائیونگ لائیسنس مانگا، اپنی گاڑی میں بیٹھ کر رپورٹ بنایا، کچھ دیر بعد باہر نکل کر ان انکل سے بولا کہ *انا آسف، انت غلطان،* (معذرت، غلطی آپ کی ہے) کیوں اس طرح کے حادثات میں ہمیشہ غلطی پیچھے والے کی مانی جاتی ہے، آپ کو چاہئے کہ اپنے اور سامنے چل رہی گاڑی کے مابین اتنی مسافت بر قرار رکھیں کہ کسی ناگہانی صورت حال میں اپنی گاڑی کو کنٹرول کر سکیں۔ اس کے بعد ہم تینوں لوگ اپنی اپنی راہ پر چل پڑے۔

اس دوران میں نے اپنے آفس کلیگ کو مطلع کر دیا تھا کہ میں ایک روڈ ایکسیڈینٹ کا شکار ہو گیا ہوں، آفس لیٹ پہنچونگا۔ پہنچ کر دیکھا تو موبائل پر رپورٹ آ چکی تھی جس میں میری غلطی زیرو ٪ بتائی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ آپ حکومت کے فلاں آفس سے رابطہ کریں وہ آپ کی گاڑی کی مرمت کے لئے رقم طے کرینگے، اس کے بعد جانب مخالف کے انشورنس

کمپنی میں اپنے کاغذات جمع کر دیں وہ ان صاحب کے انشورنس سے آپ کے اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم ٹرانسفر کر دیں گے جس سے آپ اپنی گاڑی کی مرمت کروا سکتے ہیں۔

ایک لمبی مدت کی ڈارئیونگ کے دوران آج پہلی بار میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے ، اس پورے پروسیس میں یہ اندازہ ہوا کہ آپس میں الجھنے اور بغیر کسی جھنجھلاہٹ کے اگر خاموشی کے ساتھ حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کی جائے تو معاملہ بآسانی حل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ یہاں ہوا۔ ایسے ہی انسان اگر ایمانداری کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے تو ایک مختصر وقت میں بڑے بڑے مسائل کو فی الفور حل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حکومتی عملہ کے اس ایماندارانہ کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس پورے معاملہ میں صرف ایک گھنٹے کا وقت صرف ہوا تھا۔

اگر یہی نظام ہمارے ملک میں بھی فولو کیا جائے اور لوگ ذمہ داری و ایمانداری کے ساتھ اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دیں تو ٹریفک جیسا مشکل ترین مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا۔ مجھے یاد ہے کہ گذشتہ کسی چھٹی میں ذاکر نگر، اوکھلا کی جامع مسجد میں میں نماز کے لئے جا رہا تھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک اسکوٹر اور بائک میں ٹکر ہو گئی، دونوں لوگ اپنی گاڑی سے نیچے اترے اور ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانا شروع کئے، تھوڑے بہت بحث و مباحثہ کے بعد بات لڑائی جھگڑے تک پہنچ گئی اور وہ لوگ آپس میں دست و گریباں ہو گئے، دیکھتے ہی دیکھتے ٹریفک جام لگ گیا اور دونوں طرف سے راستہ بالکل مسدود ہو گیا، لوگوں کو کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جتنا نقصان دونوں گاڑیوں کے ٹکر سے نہیں ہوا تھا اس سے زیادہ نقصان آپس میں ٹکرانے سے ہو گیا۔انسان کو چاہئے کہ خلاف توقع کسی مسئلہ کے در پیش ہونے پر جذبات میں آنے کے بجائے ہوش و حواس پر قابو رکھ کر فیصلہ کرے تاکہ صحیح حل تک پہنچتے ہوئے مزید نقصان سے محفوظ رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ **محفوظ احمد، ریاض2020/12/13، اتوار**

ہمارے مسائل اور ان کا حل

بقلم :- مفتی شاکر نثار المدنی

مسئلہ نمبر ۲۵

۱۹ لاکھ ترکہ کی تقسیم.

سوال : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید کا انتقال ہوگیا ہے، مرحوم کی جائداد انیس لاکھ روپئے میں فروخت ہوئی ہے ، ورثا میں ایک بیوی، تین لڑکے، چار لڑکیاں ہیں.

کس کو کتنا لاکھ ملے گا ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیکر عنداللہ ثواب کے مستحق بنیں.

المستفتی: عبدالحمید قاسمی چماواں اعظم گڑھ

الجواب باسم الملھم للصدق والصواب : صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الإرث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کے ترکہ کو اسّی (80) حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، جن میں سے بیوی کو دس (10) حصہ، تینوں لڑکوں کو مجموعی طور پر بیالیس (42) حصہ، (ایک لڑکے کو چودہ (14) حصہ) اور چاروں لڑکیوں کو مجموعی طور پر اٹھائیس (28) ایک لڑکی کو سات (7) حصہ ملے گا.

اس لحاظ سے انیس لاکھ روپئے میں سے بیوی کو دو لاکھ سینتیس ہزار پانچ سو روپئے

(237,500) اور ایک ایک لڑکے کو تین لاکھ بتیس ہزار پانچ سو روپیے (332,500) اور ہر لڑکی کو ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار دو سو پچاس روپئے (166,250) ملیں گے، نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں.

بیوی	237,500	لڑکی	166,250
لڑکا	332,500	لڑکی	166,250
لڑکا	332,500	لڑکی	166,250
لڑکا	332,500	لڑکی	166,250

کل 1,900,000

قال اللہ تعالی :

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ(سورة النساء :11)،

و قال تعالی : وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ(سورة النساء :12).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند--------

7 - 9 - 1439ھ 23 - 5 - 2018 م الأربعاء---------

مسئلہ نمبر ۲۶

وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں

سوال : وتر کی تینوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کون سی سورتیں پڑھنا مسنون ہے بینوا وتوجروا..

المستفتی: شیخ محمد خالد اعظمی امام ٹیکسی منس کالونی کرلا ممبئی.

الجواب باسم الملھم للصدق والصواب : وتر کی پہلی رکعت میں سورہ اعلی یعنی {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی} دوسری رکعت میں سورہ کافرون یعنی {قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ} اور تیسری رکعت میں سورہ الأحد یعنی {قُلْ ہُوَ اللّٰہُ أَحَدٌ} پڑھنا مسنون ہے

نوٹ : ان سورتوں کا اتنا زیادہ التزام نہ کیا جائے کہ لوگ انہی سورتوں کو پڑھنا واجب سمجھنے لگیں.

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہما قال: کان رسول اللّٰہ یقرأ في الوتر بسبح اسم ربک الأعلی، وقل یٰأیہا الکافرون، وقل ہو اللّٰہ أحد في رکعۃ رکعۃ۔

(سنن الترمذي ۱/۱۰۶ رقم: ۴۶۱، سنن أبي داؤد ۱/۲۰۱ رقم: ۱۴۲۳).

والسنۃ السور الثلاث، أی ''الأعلیٰ'' و''الکٰفرون'' و''الإخلاص لٰکن فی النہایۃ أن التعیین علی الدوام یفضی إلی اعتقاد بعض الناس أنہ واجبٌ وہو لایجوز فلو قرأ بما ورد بہ الاٰثار أحیاناً بلا مواظبۃ یکون حسناً.

(شامی مع الدر المختار زکریا ۲/۴۴۱).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند---------

7 1439 9ھ 23 5 2018م الأربعاء----------

مسئلہ نمبر ۲۷

تراویح میں غلط پڑھی گئی آیت کا اعادہ

سوال : اگر کسی نے ماکانوا یعملون کے بجائے ماکانوا یصنعون پڑھ دیا، سامع نے لقمہ نہیں دیا. کیا دوسرے دن اس آیت کا اعادہ کرنا چاہیئے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی : شیخ محمد خالد اعظمی امام ٹیکسی منس کالونی کرلا ممبئی

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : سوال میں مذکورہ صورت اگر تراویح کے علاوہ نماز میں پیش آئی ہے تو اعادہ کی ضرورت نہیں، معنی نہ بدلنے کی وجہ سے نماز درست ہے.

اور اگر یہ صورت تراویح میں پیش آئی ہے تو گرچہ نماز درست ہوگئی لیکن چونکہ تراویح میں مکمل قرآن پڑھنا مسنون ہے اس لیے بعد کی تراویح میں اس آیت کا صحیح طور پر اعادہ کرلینا چاہیے تاکہ مکمل قرآن پڑھنا پایا جائے.

ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا لم تفسد ما لم يتغير المعنى۔

(در مختار مع الشامي / باب زلة القاري ۲/۳۹۵ زکریا، الفتاویٰ الهندیة / الفصل الخامس في زلة القاري ۱/۸۰، خلاصة الفتاویٰ / النوع الثاني)عشر في زلة القاري ۱/۱۱۷، أمجد أکیڈمي لاہور)

وإن زاد كلمة في آية إن كانت في القرآن ولا يتغير المعنى... لا تفسد صلاته في قولهم۔

(بزازیة علی ہامش الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۵۴، حلبي کبیر ۴۹۲۲، الفتاویٰ الهندیة ۱/۹۷)

إن كان لما ذكر من الشطر وجه صحيح في اللغة، ولا يكون لغوا، ولا يتغير به المعنى، ينبغي أن لا يوجب فساد الصلوة۔

(الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۱۳ رقم: ۱۸۸۹ زکریا)

السنة في التراويح إنما هو الختم مرة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل۔ (ہندیة ۱/۱۱۷).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند--------

7 9 1439ه 23 5 2018م الأربعاء---------

مسئلہ نمبر ۲۸

دو مُردوں کی ایک قبر میں تدفین

سوال : ایک بچہ ایک بچی پیدا ہونے کے دس منٹ بعد مر گیے ہیں، کیا دونوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں؟

المستفتی : محمد خالد اعظمی مدار پوری

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : اگر جگہ وغیرہ کی مجبوری ہو تو ایک قبر میں تدفین کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی کثرت کی وجہ کیا تھا؛ لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو ایک قبر میں ایک ہی مردہ کو دفن کرنا چاہیے.

قال الكاساني في بدائع الصنائع: ”ولا يدفن الرجلان أو أكثر في قبر واحد هكذا جرت السنة من لدن ءادم إلى يومنا هذا. فإن احتاجوا إلى ذلك قدموا أفضلهما وجعلوا بينهما حاجزا من الصعيد، لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بدفن قتلى أحد وكان يدفن في القبر رجلان أو ثلاثة وقال: قدموا أكثرهم قرءانا. وإن كان رجل وامرأة قدم الرجل مما يلي القبلة، والمرأة خلفه اعتبارا بحال الحياة“.اهـ (1 319، دار الكتب العلمية بيروت)

(ولا بأس بدفن أكثر من واحد) في قبر واحد (للضرورة) قال قاضيخان (ويحجز بين كل اثنين بالتراب) هكذا أمر رسول الله صلى الله عليه و سلم في

بعض الغزوات (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح لابن عمار الشرنبلالي 1 232).

وأما ترتيبهم في قبر واحد لضرورة فبعكس هذا فيجعل الأفضل مما يلي القبلة (الدر المختار مع الرد 3 119 دار عالم الكتب رياض).

ولا يدفن اثنان أو ثلاثة في قبر واحد إلا عند الحاجة فيوضع الرجل مما يلي القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثى ثم خلفه المرأة ويجعل بين كل ميتين حاجز من التراب، كذا في محيط السرخسي (الفتاوى الهندية 1 183، دار الكتب العلمية بيروت).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند-------

97 1439ھ 23 5 2018 م الأربعاء---------

مسئلہ نمبر ۲۹

نماز میں عمل قلیل وکثیر کا حکم

سوال : نماز میں امام کا مائک تک اپنی آواز پہنچانے کی غرض سے قیام، رکوع وسجود کے وقت قدم بڑھاکر آگے پیچھے ہونا کہاں تک درست ہے؟
اسطرح کی حرکت سے کیا نماز بغیر نقص کے مکمل ہوجاتی ہے؟
المستفتی محمد خطیب اعظمی ممبر پاسبان علم وادب

الجواب بآسم الملهم للصدق والصواب : نماز عمل کثیر سے فاسد ہوجاتی ہے اور عمل قلیل سے فاسد نہیں ہوتی، عام طور پر عمل کثیر و قلیل کی مندرجہ ذیل تین تعریفیں کی گئی ہیں :
(۱) نمازی کو دور سے دیکھنے والا دیکھ کر یہ سمجھے کہ نماز میں نہیں ہے تو یہ عمل کثیر ہے، اگر شک کرے تو عمل قلیل ہے.
(۲) عمل کثیر اسے بھی کہا جاتا ہے کہ جس میں دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اور اگر ایک ہاتھ کا استعمال ہو تو قلیل ہے.
(۳) نماز پڑھنے والا جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے، جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے.
پہلا قول راجح ہے.
مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ رکوع وسجدہ کے وقت مائک سے قریب ہونا عمل کثیر نہیں ہے اس لئے نماز درست ہوجائے گی، پھر بھی بلا وجہ نماز میں ایسی حرکت نہیں کرنا چاہیئے؛ بلکہ حتی الامکان سکون واطمینان سے نماز پڑھنی چاہیے.

قال اللہ تعالٰی : حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

(البقرة: 238)

وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: استفتحت الباب ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي تطوعاً، والباب على القبلة، فمشى عن يمينه أو عن يساره، ففتح الباب ثم رجع إلى مصلاه۔ (سنن النسائي، السهو / باب المشي أمام القبلة خطئ يسيرة ١/١٣٥ رقم: ١٢٠٢، سنن أبي داؤد، الصلاة / باب العمل في الصلاة رقم: ٩٢٢)

لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لايشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد، وهذا هو الأصح...أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة...قليل... أن يفوض إلى رأى المبتلى به وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرًا، وإن استقله كان قليلا. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، زكريا ١/١٠٢، جديد زكريا ١/١٦٠).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

أستاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند-------

7 9 1439ھ 23 5 2018م الأربعاء--------

مسئلہ نمبر ۳۰

ایک سلام سے چار رکعت تراویح

سوال : اگر کوئی تراویح کی نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیرنا بھول جائے اور چار رکعت تراویح کی نماز ایک ہی سلام سے پڑھ لے تو اسکا کیا حکم ہے؟ کیا چار رکعت تراویح کی نماز ہوگی؟ یا دو رکعت تراویح کی نماز اور دو رکعت نفل ہوگی؟ یا چاروں رکعت نفل ہونگی؟

المستفتی مفتی محمد اشرف علی محمد پوری.

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : تراویح کی نماز دو دو رکعت ہی مسنون ہے، لیکن اگر غلطی سے چار رکعت ایک سلام سے پڑھ لے اور دو رکعت پر قعدہ کیا ہو تو چاروں رکعت بلا کراہت تراویح میں شمار ہوگی اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہو تو کراہت کے ساتھ تراویح میں شمار ہونگی.

عن سعيد بن عبيد أن على بن ربيعة كان يصلى بهم فى رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث۔ (السنن الكبرى للبيهقي ۴۹۶/۲)

عن أبي الخصيف قال: كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان، فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة۔ (المصنف لابن أبي شيبة ۳۹۳/۲، إعلاء السنن ۸۲/۷-۸۱ دار الكتب العلمية بيروت)

وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات كما هو المتوارث على رأس كل

رکعتین۔ (البحر الرائق ۲/۱۱۷ کراچی)

وہي عشرون رکعة بعشرة تسليمات فلو فعلها بتسليمة، فإن قعد لكل شفع صحت بکراہة۔ (شامي ۲/۴۹۵ زکریا)

ومنها أن يصلي كل ركعتين بتسليمة على حدة .... لو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة، وقعد في كل ركعتين أن الصحيح أنه يجوز عن الكل۔ (بدائع الصنائع ۱/۶۴۶ زکریا).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند---------

9 9 1439 ھ 25 5 2018 م الجمعة.---------

صبح نامے

بقلم :- ڈاکٹر ارشد قاسمی

صبح نامہ نمبر (1)

دنیا دارالفناء ہے تغیر ہی اسکی خصوصیت ہے دنیا کی کوئی شئے مستقل نہیں ہے
اگر آپ خوش ہیں عیش و عشرت کے سامان آپ کے قدموں میں ہیں تو جان لیجئے یہ خوشی دیر پا نہیں ہے
اور اگر آپ غموں کے بوجھ تلے دب چکے ہیں افکار و آلام نے آپ کے ارد گرد گھیرا ڈال رکھا ہے تو یقین رکھئے دکھ کی اس رات کا سویرا ہونا ہی ہے
لہذا خوشی کے وقت شکر ادا کرنا سیکھئے اور کوئی غم پیش آئے تو صبر کا دامن نہ چھوڑیئے
صبر اور شکر یہی پر سکون حیات کی کنجی ہے ۔

صبح نامہ نمبر (2)

آپ بغور معائنہ کرینگے تو آپ کے ارد گرد تین قسم کے لوگ ملینگے
بعض وہ ہیں جو سوسایٹی و سماج کے لئے تعمیری کام کرتے ہیں
کچھ وہ ہیں جو اپنی ذات کے خول میں بند رہتے ہیں تعمیر میں حصہ نہیں لیتے مگر تخریب بھی نہیں کرتے
کچھ ایسے بھی افراد ضرور ہونگے جو سماج سے صالح اقدار ، حسنِ معاشرت ، باہمی تعاون جیسے عناصرِ ضروریہ کی بیخ کنی کرتے نظر آئینگے

جس معاشرہ میں اول قسم کے لوگ ہوں وہ ترقی کرتا ہے کرتا جاتا ہے بلآخر جنت نظیر بن جاتا ہے
دوسری قسم کے لوگوں پر مشتمل معاشرہ ترقی تو نہیں کرتا مگر تنزل و انحطاط کا شکار ہونے سے بھی قدرے محفوظ رہ جاتا ہے
مگر جس سوسایٹی میں تیسری قسم کے لوگوں کا غلبہ ہو وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہے بدامنی و بدچلنی اور بے سکونی کی آماجگاہ بن جاتا ہے
ہمیں غور کرنا ہے ہمارا تعلق کس قسم سے ہے اور ہم سماج کے لئے مفید ہیں یا مضر۔

صبح نامہ نمبر (3)

مجھے اپنے دوستوں سے شکایت ہے
کچھ الفاظ اپنے اندر معنویت کا ایک جہاں لئے ہوتے ہیں اور انکے اثرات دور رس ہوتے ہیں
محض کچھ سالوں قبل تک ہندو مذہبی پیشواوں کے فالوورس بھکت کہے جاتے تھے وہ خود بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے تھے اسکے بعد ہمارے وہ بھائ جو تصوف سے متنفر تھے یا آزادئ فکر کی بنا پر مریدین کو بھکت ہونے کا طعنہ دیکر خود کو روشن خیال گردانںنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ اکابرین کی آراء خصوصا مکتبِ علماءِ دیوبند کے فالوورس کے لئے بطور گالی کہا جانے لگا
افسوس کی بات یہ ہے یہ لفظ اسکی قباحت اور اسکے دور رس مضر اثرات پر توجہ نہ دینے سے ہمارے اہلِ علم بلکہ راہِ سلوک و معرفت کے راہنماوں کی زبان و قلم سے بے دریغ استعمال ہورہا ہے، اس پہلو پر توجہ کی درخواست ہے

پروگرام صرف تیس منٹ اور خرچ 6 کروڑ

بقلم :- مفتی طہ صاحب جون پوری

ایک طرف جہاں دنیا کی معیشت ہچکولے کھارہی ہے، کروڑوں لوگ کے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنا مشکل ہوگیا، کتنے معصوموں کا رو رو کر برا حال ہوگیا، کتنی ماؤں کی ہچکیاں بندھ گئیں، کتنے انسان فاقے کا شکار ہوگئے اور کتنے لوگ بھوک سے مر گئے، وہیں دوسری طرف ایک طبقہ وہ بھی ہے، جو ہر طرح سے عیش کی زندگی گذار رہا ہے۔ اور جس کے لیےشاید یہ احوال بس ایک فرضی کہانی ہوں۔ اس کی مثالیں تو آپ کو بہت سی مل جائیں گی، لیکن تازہ مثال آپ کے سامنے ہے۔

معروف آرٹی آئی ایکٹوسٹ " *ساکت گوکھلے* " نے "لکشمی پوجا پروگرام" کے خرچ سے متعلق جب قانونی معلومات حاصل کیں، تو جو جواب ان کو موصول ہوا، وہ یقینا افسوسناک ہے۔

چناں چہ یہ جواب دیاگیا، کہ تقریبا 6 کروڑ روپیہ خرچ ہوا ہے اور یہ پروگرام دہلی حکومت کا تھا"۔ واضح ہوکہ یہ پروگرام صرف 30 منٹ تک ہوا اور لائیو نشر بھی کیا گیا تھا۔ اور اس پروگرام کا انعقاد 14 نومبر 2020 کو ہوا ہے۔ یعنی اب سے صرف ایک ماہ قبل۔

بس کچھ نہیں کف افسوس ملیے اور رب کریم سے عافیت کی دعامانگیے۔

اللہ ہم سب کو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنے والے بنائے.

طہ جون پوری

22 دسمبر 2020

انداز بیاں اور (مجلسِ شمس)

بقلم :- مولانا شمس مظاہری

اسلام نے نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کے درمیان ایک ایسا جامع ، لطیف ، قوی اور پاکیزہ رشتہ کی بنیاد رکھی ہے جسکی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔۔ نکاح کے کیا معانی ہیں؟؟ماہرین لغت نے اس سلسلہ میں الگ الگ تحقیقات پیش کیا ہے۔۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بارش کا قطرہ جب آسمان سے ٹپک کر خشک زمین پر گرتا ہے اور زمین اسے اپنے اندر جذب کر لیتی ہے تو اسے لفظ "نکح" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔ کہا جاتا ہے (نکح المطر الارض ای اختلط فی ثراھا واعتمد علیھا) بعض لوگوں کی تحقیق یہ ہے کہ دوا کا اثر جب مریض کے اندر تک سرایت کر جائے تو اسے بھی لفظ "نکح" سے تعبیر کرتے ہیں۔۔ کہا جاتا ہے (نکح الدواء فلانا ای خامرہ و غلبہ) لغویوں کی ایک جماعت کی تحقیق یہ بھی ہے کہ سرمہ جب آنکھ میں جاکر تحلیل ہو جائے اور پانی بن کر آنکھ سے ٹپک جائے تو اسے بھی لفظ "نکح" ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔۔

نکاح کی یہ لغوی تعبیر بتا رہی ہے کہ نکاح کے ذریعہ زوجین کے درمیان ایسی گہری اور شدید محبت قائم ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے میں جذب ہوکر "من تو شدم تو من شدی اور من جاں شدم تو تن شدی "کی خوبصورت تصویر بن جاتے ہیں۔ پھر دونوں کے غم اور خوشیاں سانجھی ہوتی ہیں۔۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمدم ، دمساز ، غمگسار، رفیق حیات اور رفیق سفر ہوا کرتے ہیں۔۔ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں دونوں ایک دوسرے کی طاقت اور سہارا بنتے ہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک پر عشق و محبت اور فدائیت و فنائیت

کا غلبہ ہوا کرتا ہے۔۔بالکل سرمہ اور آنکھ کے پانی کی طرح دونوں کی ذات ایک دوسرے میں تحلیل ہوکر فنا ہو جایا کرتی ہے ۔۔۔اسی محبت و فنائیت کا اثر ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی حفاظت و نگرانی اور اسکی ہر چھوٹی بڑی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار رہتا ہے۔۔ وہ اپنی بیوی کو اپنا بہترین متاع اور کل کائنات تصور کرتا ہے۔۔ بیوی بھی اپنے شوہر کے لئے سکون و قرار کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اولاد کی تربیت و پرورش کی ذمہ دار ہوا کرتی ہے۔۔ساتھ ہی ساتھ وہ شوہر کی اموال و املاک اور اپنی ناموس کی بھی بھرپور حفاظت کرتی ہے۔۔بابل کے گھر کی دہلیز پار کر لینے کے بعد اور شوہر کے گھر میں داخل ہو جانے کے بعد اس کے لئے وہ قدیم رشتے اپنی اہمیت کھونے لگتے ہیں جنکے سایہ میں اس نے اپنے بہت ہی قیمتی مہ وسال گزارے ہوتے ہیں۔۔ ماں کی آغوش محبت اور باپ کے سایہ شفقت سے نکلنے کے بعد اسے شوہر کی مضبوط پناہ میں پہونچ کر خود اعتمادی اور طمانینت قلبی کا احساس ہوتا ہے۔۔ اب جدید رشتے ہی اسکی خدمت و محبت کی اولین ترجیحات حاصل کر لیتے ہیں۔۔والدین جب اسے اپنی پرخلوص دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے ہیں تو یہ نصیحت کرنا نہیں بھولتے کہ اسے سسرال میں جاکر خود کو ثابت کرنا ہے۔۔اپنی وفا شعاری اور خدمت گزاری کے ذریعے اپنے شوہر اور سسرال والوں کا دل جیتنا ہے۔۔اپنے خوبصورت اخلاق وکردار کے ذریعے اپنے سسرال کو جنت بنانا ہے۔۔اپنے شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی ہے۔۔اپنے کسی بھی عمل سے شوہر کے دل کو تکلیف نہیں پہونچنے دینا ہے۔۔

زوجین کی آپسی محبت ہر قسم کے تصنع و بناوٹ اور خود غرضی سے پاک ہوا کرتی ہے۔۔

ایسے آبشار کی مانند ہوتی ہے جس سے صاف و شفاف چشمہ نکل کر انسان کے قلب کو فرحت عطا کرتے ہیں۔۔ایک ایسے صیقل آبگینہ کی طرح ہوتی ہے جس میں انسان اپنے خد و خال کو اچھی طرح سنوار سکے۔۔

احادیث نبویہ میں زوجین کی باہمی محبت کے فضائل و مناقب کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا گیا کہ کون سی عورت بہتر ہوا کرتی ہے؟؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت کہ جب شوہر اسے دیکھے تو دیکھ کر خوش ہو جائے ۔اور جب شوہر اسے کسی بات کا حکم دے تو وہ اسکی اطاعت کرے اور شوہر کی غیر موجودگی میں وہ اسکے اموال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔۔بعض احادیث میں ہے کہ ایسی حفاظت کرے کہ شوہر کے بستر پر کسی غیر کو بیٹھنے بھی نہ دے۔۔حدیث شریف میں ارشاد نبوی ہے کہ آدمی کی خوش نصیبی اور سعادت کی تین علامتیں ہیں۔۔پہلی علامت یہ ہے کہ آدمی کا رزق اسکے وطن میں اترے۔۔دوسری علامت یہ ہے کہ اس کو گھر وسیع اور کشادہ ملے۔۔تیسری علامت یہ ہے کہ اس کو بیوی نیک بخت ملے۔۔ایک موقع پر اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (تنکح المراۃ لاربع ۔لمالھا و لجمالھا و لحسبھا و لدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک) نہ صورت کو دیکھو ، نہ حسب کو دیکھو اور نہ ہی دولت کو دیکھو بلکہ دین کو اپنی بیوی کے انتخاب کا معیار بناؤ اس لئے کہ اگر دین کی وجہ سے محبت قائم ہوگی تو مرتے دم تک رہے گی۔۔۔

دوستو !!!!!!! نکاح کی لغوی و اصطلاحی تعبیر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ زوجین کے درمیان دائمی الفت و محبت قائم رہے اور ان کے مابین کبھی بھی اختلافات نہ ہوں۔۔لیکن آج جب ہم

اپنے معاشرے اور سماج پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معاشرے کو انتہائی المناک اور تکلیف دہ صورتحال کا شکار پاتے ہیں۔۔ ہر انسان معاشرے کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے ۔۔ اسے خوب اچھی طرح احساس ہے کہ جہاں ایک طرف انسان کے تمام قریبی رشتے آئے دنوں تاش کے پتے کی طرح بکھرتے چلے جا رہے ہیں وہیں دوسری طرف میاں بیوی کے آپسی مقدس اور پاکیزہ رشتے بھی کثرت کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔۔یا تو بیوی اپنے شوہر کا ظلم و ستم سہنے کو مجبور ہے یا پھر شوہر اپنی بیوی کے سامنے دم ہلانے پر اور اسکی ہر جائز و ناجائز خواہشات کو پوری کرنے پر بے بس ہے۔۔۔رشتوں میں اس قدر کھٹاس اور تلخی پیدا ہو چکی ہے کہ جس بیوی کو قرآن نے سکون و قرار کا ذریعہ بتایا تھا اور اسے محبت و وفا کی دیوی قرار دیا تھا وہ آج اپنے شوہر کے لئے بے سکونی ، بد اطمینانی اور ذہنی تناؤ کا سبب بنتی جا رہی ہے۔۔جو شوہر اپنی بیوی کے لئے مضبوط سائبان کی حیثیت رکھتا تھا آج اسی سائبان تلے بیوی خود کو غیر محفوظ اور تنہا پا رہی ہے۔۔جسکے نتیجے میں خاندان کے خاندان تباہ ہو رہے ہیں۔۔اولاد کا مستقبل تباہی کے دہانے پر ہے۔۔طلاق کی شرح میں حیرتناک اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور انسان انسانیت کے معیار سے اتر کر حیوانیت کے مقام تک جا پہونچا ہے۔۔پردہ خفا میں رہنے والی باتیں آشکار ہو رہی ہیں۔۔ گھریلو جھگڑے گھر سے نکل کر باہر آ رہے ہیں اور جگ ہنسائی ، ذلت اور رسوائی کا سبب بن رہے ہیں۔۔

آخر اسکی وجہ کیا ہے اور اس مقدس رشتے کو پامال ہونے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔۔

آنے والی مجلسوں میں انشاء اللہ ہم اس پر گفتگو کریں گے۔۔

شمس پرویز مظاہری ، مہتمم مدرسہ نظامیہ دار القران دگھی وایا مہگاواں گڈا

غزل

بقلم :- مولانا محمد رضوان اعظمی

کچھ نہ خوفِ مآل ہے مجھ کو
عشق ہی بے مثال ہے مجھ کو

بے خبر ہوں میں سارے عالم سے
بس ترا ہی........ خیال ہے مجھ کو

بات کہہ جانا سب اشاروں میں
یہ تو حاصل کمال ہے.... مجھ کو

تم سے رشتہ وہی..... محبت کا
پھر سے کرنا بحال ہے مجھ کو

نقدِ بے جا سے کیوں خفا تم ہو
عادتِ قیل و قال ہے مجھ کو

کیا غرض ہے حرام روزی سے
رب نے بخشا حلال ہے مجھ کو

شام ہوتے ہی یاد گھر آنا
کچھ تو فکرِ عیال ہے مجھ کو

حفظ حدیث کی فضیلت

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

اللہ تعالیٰ نے اِس امّت کو خیر امّت کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے اور ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: 110] کا اعلان فرما کر امّت اور اس کے افراد کی قیمت و قامت اور اُن کی نافعیت کو قیامت تک کے لیے ثابت کردیا ہے۔ اِس عزّت وسعادت اور اہمیت وعظمت کو عملی طور پر انسانی دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کتاب وسنّت کی تعلیمات کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھیں اور ان پر عمل کرنے کو اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ تصوّر کریں۔

اِسی ضمن میں امّت کے انفرادی اور اجتماعی جملہ معاملات میں حضور پاک ﷺ کی تعلیمات کو مجموعی طور پر پیش کرنے کے لیے علمائے امّت اور محدّثینِ عظام نے حدیثِ پاک کے عظیم ذخیرہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور ان کو اصولِ حدیث کی روشنی میں پیش کرکے ایک عظیم اسلامی کتب خانہ تیار کیا اور عالم انسانی کو نورِ نبوّت سے منوّر کرنے اور قرآنِ کریم کے بحرِ ناپیدا کنار سے لعل وجواہر کو چننے کے لیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور اُن کی اِن کاوشوں سے منزلِ مقصود تک پہنچنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگیا۔

فن حدیث انتہائی عظیم الشّان اور رفیع المرتبت فن ہے اور کیوں کہ اس کی نسبت اُس ذاتِ گرامی کی طرف ہے جو مخلوق میں سب سے اعلیٰ واشرف ہے یعنی آقائے نامدار، سرورِ کونین، جناب محمّد رسول اللہ ﷺ! اور جس طرح یہ فن عظیم الشّان ہے اسی طرح

اس سے اشتغال بھی بڑا مقدّس ومتبرّک عمل ہے۔ بڑے خوش بخت وبانصیب اور رشکِ خلائق ہیں وہ لوگ جنھوں نے حدیث کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی نشر واشاعت میں اپنی عمریں کھپا دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے مستحق ٹھہرے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ» سنن الترمذي (5658).

اس حدیث میں نبی ﷺ نے حدیث نبوی یاد کر کے بعینہٖ آگے پہنچانے والے کیلیے دعا ہے یا خبر دی ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ یاد کرنے سے احادیث سمجھنے، ان کا مفہوم ذہن میں بٹھانے اور لوگوں تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔

صحیحین کی روایت ہے: عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الهُدَى وَالعِلْمِ، كَمَثَلِ الغَيْثِ الكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ المَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الكَلَأَ وَالعُشْبَ الكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ المَاءَ، فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لاَ تُمْسِكُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللَّهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ» صحيح البخاري (79)، و صحيح مسلم (2282).

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (جو علم اور ہدایت اللہ تعالی نے مجھے عطا فرما کر مبعوث کیا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی طرح ہے جس سے زمین صاف ہونے کے بعد پانی کو پی بھی لیتی ہے اور بہت گھاس اور سبزہ اگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی روک لیتی ہے، پھر اللہ تعالی اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے ، لوگ اس پانی کو خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں نیز فصلوں کو آبیاری بھی کرتے ہیں اور کچھ بارش زمین کے ایسے حصے پر ہوتی ہے جو بالکل بنجر میدان ہے، نہ وہاں پانی رکتا ہے اور نہ سبزہ اگتا ہے ، یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ کے دین کو سمجھ کر اس کا فقیہ بن جائے اور اس کو آگے پھیلائے اور اس شخص کی مثال بھی ہے جس نے اس دین کی طرف سر تک نہ اٹھایا اور مجھے دی گئی اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کیا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی تین اقسام بیان کی ہیں: دو اقسام اچھے لوگوں کی ہیں : ایک قسم سمجھ دار صاحب علم کی ہے جو لوگوں کو بھی دین کی سمجھ دیتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو علم کا حافظ ہے لیکن فقیہ نہیں ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ مذموم قسم ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نبی ﷺ نے آپ کی باتوں کو سننے والوں کو مختلف قسم کی بارانی زمینوں سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ کچھ لوگ عالم، با عمل اور دوسروں کو سکھانے والے ہوتے ہیں، انہیں زرخیز زمین سے تشبیہ دی کہ زمین پانی جذب کر کے خود بھی فائدہ اٹھاتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔

اور کچھ لوگوں کے پاس علم ہوتا ہے لیکن دنیاوی امور میں مشغول رہتا ہے، لیکن وہ اضافی اور نفلی امور میں حصہ نہیں لیتا یا جو کچھ اسنے یاد کیا ہوا ہے اسے سمجھتا نہیں ہے،

تاہم یاد کیا ہوا علم دوسروں تک پہنچا دیتا ہے، اس شخص کو ایسی زمین سے تشبیہ دی ہے جس میں پانی جذب تو نہیں ہوتا لیکن جمع شدہ پانی سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی شخص کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اشارہ ہے: (اللہ تعالی اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میری بات سن کر یاد کرے اور پھر اسے دوسروں تک ایسے ہی پہنچائے جیسے اس نـے سنا تھا)

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو علم کی بات سن کر اسے یاد نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر خود عمل کرتے اسی طرح آگے بھی نہیں پھیلاتے تو ایسا شخص بنجر اور شوریلی زمین کی طرح ہے جس میں نہ پانی جذب ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کے استعمال کے قابل رہتا ہے۔

نبی ﷺ کی پیش کردہ مثال میں پہلی دونوں قسمیں فائدہ اٹھائے جانے کے اعتبار سے مشترک ہیں، جبکہ تیسری قسم سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا اس لیے اسے الگ ہی رکھا، واللہ اعلم" انتہی

احادیث نبویہ یاد کرنا بھی اسی علم کے ضمن میں شامل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالی جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے، نیز حصولِ علم اور لوگوں کے درمیان علم پھیلانے کے متعلق فضائل مشہور و معروف ہیں۔

احادیث نبویہ کو زبانی یاد کرنا انبیائے کرام کے وارثین علمائے کرام کی صفات میں سے ہے۔

احادیث نبویہ یاد کرنے سے دین کو تحفظ ملتا ہے نیز دین کی اہم بنیاد کی حفاظت ہوتی ہے، اگر اللہ تعالی نے احادیث نبویہ کی حفاظت کیلیے علمائے کرام کو اس جانب نہ لگایا ہوتا تو

احادیث ختم ہو چکی ہوتیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» صحیح البخاري (100)، وصحیح مسلم (3673).

(اللہ تعالی علم کو لوگوں کے دلوں سے (یکبارگی) نہیں کھینچے گا بلکہ علمائے کرام کو اٹھا لے گا، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنے سربراہ منتخب کر لیں گے ، پھر جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے دے کر خود تو گمراہ تھے ہی دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)۔

احادیث یاد کرنے کی برکت میں یہ بھی شامل ہے کہ: لوگوں کو احادیث سکھلائی جائیں ، احادیث کی نشر و اشاعت سنت اور علم کی نشر و اشاعت ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنا، احادیث یاد کرنا اور علمی مذاکرہ جنت میں داخلے اور جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے، نیز نبی ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ: "مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ"، صحیح البخاري (71)، وصحیح مسلم (1037). (جس شخص کے بارے میں اللہ تعالی خیر کا ارادہ فرما لے اللہ تعالی اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے)۔

دین کی سمجھ کتاب و سنت کے فہم کے ذریعے ہوتی ہے، اگر کوئی شخص احادیث سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے بندے سے خیر کا ارادہ فرمایا

ہے" انتہی

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حدیثیں یاد کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهِ بَعَثَهُ اللهُ فَقِيهًا، وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا " شعب الإيمان (3/ 241)۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا: یعنی جو شخص یاد کرے اور پہنچائے میری امت کو چالیس حدیثیں جو ان کے امر دین سے ہوں، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہا کے زمرہ میں اٹھائے گا اور میں اس کے لئے اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اس کی طاعت پر گواہی دینے والا ہوں گا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۱۸۶)۔

امام احمد نے بیہقی کی اس روایت کے متعلق فرمایا: "هَذَا مَتْنٌ مَشْهُورٌ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ، وَلَيْسَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ"

اور امام نووی نے اپنی اربعین میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعدد ہیں جس کی وجہ سے اس حدیث میں قوت پیدا ہو گئی۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۸۷)۔

اس میں شک نہیں کہ ائمہ کبار نے ان حدیثوں کو تلقی بالقبول کے ساتھ اور ان پر عمل کر کے ان کے مقبول اور حجت ہونے کو تسلیم کر لیا کیونکہ علمائے کبار نے سلف و خلف میں اربعینات تصنیف کیں اور وہ حضور ﷺ کی شفاعت اور اپنی مغفرت کے لئے حضور ﷺ کی شہادت کے امیدوار ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کو یاد کرنا اور انہیں مسلمانوں تک پہنچانا ایسی فضیلت اور اجر وثواب کا موجب ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن فقہاء کے گروہ میں اٹھایا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ اس کے لئے شفیع اور شہید ہوں گے۔ بشرطیکہ ایمان اور اخلاص کامل کے ساتھ یہ عمل ہو اور مرتے دم تک کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس سے یہ نیکی ضائع ہو جائے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالخَوَاتِيمِ" صحيح البخاري (6607).

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان، اخلاص اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ اٰمین!

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} [الحجر: 9] ہم ہی نے ذکر (قرآن کریم) کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کی حفاظت آج ہم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی قرآن کریم کو حفظ کرلیتے ہیں۔ قرآن کریم سے پہلے جو آسمانی کتابیں(زبور، توریت اور انجیل) تھیں، اس کے صرف چند ہی لوگ حافظ ہوتے تھے، پھر مرور زمانہ کے ساتھ اس میں تحریف واقع ہونے لگیں اور وہ کتابیں اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہیں، مگر یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، کیونکہ اس کی حفاظت یاد کرنے اور لکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف شکلوں سے کی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ جو اصلا قرآن کریم کی شرح ہیں، کیونکہ آیت کریمہ

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ} [النحل: 44]

کہ ہم نے ذکر یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تبیین کریں یعنی آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں تو آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات یہی حدیث ہیں، وہ بھی اپنی اصل کی طرح باقی رہیں گی، اس کی حفاظت بھی تکوینی نظام کے تحت ہوئی، جیسے قرآن پاک ضبط و تحریر کے ذریعے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ اسی طرح حدیث پاک کو صحابہ و تابعین کرام اور محدثین عظام کے ذریعے لکھوا کر محفوظ کیا گیا۔ اور یوں قرآن اور اس کی تبیین و تفسیر دونوں کی حفاظت مکمل ہوئی جس کی ذمہ داری خود اللہ احکم الحاکمین نے اپنے ذمے لی تھی۔

پھر حضرات محدثین رحمہم اللہ نے جس طرح جان جوکھوں میں ڈال کر ایک ایک حدیث کو جمع کیا اس کی داستان طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے احادیث مبارکہ لکھنے ، اساتذہ کی کتابوں اور احادیث کے مجموعوں کو نقل کرنے کے بھی قواعد و ضوابط مرتب کئے اور اس میں ایسا محتاط طریقہ اختیار کیا جو ان کی صداقت و دیانت کی ایک واضح برہان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بہت بعد پہلی صدی کے ختم کے قریب اس کی تدوین کا عمل شروع ہوا، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے حکم سے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ کے ذریعے یہ کام انجام پایا، گرچہ حضور کے زمانے میں بھی چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث کو جمع کرتے تھے، شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے لکھنے سے منع فرمادیا تھا بعد میں اس کی اجازت دی گئی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر تدوین حدیث کا کام اتنا تاخیر سے کیوں شروع ہوا، پہلے کیوں نہیں ہوا، اس میں یہ بھی گمان ہے کہ احادیث کو گھڑ لیا

گیا ہو، یہ تمام بحثیں علمائے کرام نے کتابوں میں لکھ دی ہیں، تدوین حدیث کے سلسلے میں وہ کتابیں کافی ہیں ان کے مطالعہ سے وہ تمام اشکالات دفع ہوجائیں گے جو ذہن کے کسی بھی گوشہ میں پیدا ہورہے ہیں۔

جن ائمہ کرام نے حدیث شریف کو اوڑھنا بچھونا بنالیا اور ہمیشہ اس کی خدمت کرتے رہے، اس کو زبانی یاد کیا پھر کتابی شکل میں اس کو مرتب کیا، ان کے مختلف القاب ہیں جو اس مضمون میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالی رب العزت نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حافظہ بہت قوی بنایا تھا، وہ اپنے حافظے کی مدد سے حدیث کو بیان کرتے تھے، لیکن حدیث شریف کو بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، ان کے پیش نظر ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان رہتا تھا: *"من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"* کہ جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ گھڑا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اسی وجہ سے بعض صحابہ کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کرتا تو وہ اس سے اس پر گواہ طلب کرتے کہ یہ حدیث ہے تدوین حدیث کے بعد جب ائمہ کرام نے حدیث کی کتابوں کو لکھنے کا سلسلہ شروع فرمایا تو اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ 1- جامع :-2 سنن :3 مستخرج :-4 مستدرک :-5 مسند :-6 معجم :-7 الجزء:-8 اربعین :-9 کتب علل :-10 اطراف :-11 مسلسل، اس کے علاوہ اور بھی قسمیں ھیں جس کو اصول حدیث کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت نے محدثین کا حافظہ بہت ہی قوی بنایا تھا، امام بخاری کا حافظہ ضرب المثل تھا، ان کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں، انہوں نے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثوں کو سامنے رکھ کر اپنی کتاب *"الجامع الصحیح"* کو تیار

کیا جو آج صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے صحیح مسلم لکھی، امام احمد بن حنبل، ابو زرعہ رازی، الحاکم ابو عبد اللہ اور دیگر ائمہ کتب حدیث نے حدیثوں کو زبانی یاد کیا، یہ تمام واقعات مختلف کتابوں میں درج ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب محدثین کے جو القابات ہیں اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

محدثین کے القاب:

۱) امیر المؤمنین فی الحدیث:- حدیث "**خُلَفَائِيْ مِنْ بَعْدِي**" سے یہ اصطلاح ماخوذ کی گئی ہے۔ محدثین میں یہ اعلی ترین مقام ومرتبہ اور لقب ہے۔معاصرین کے مقابلے میں جوحدیث اور علل حدیث میں اپنے حفظ ، اتقان اور گہرائی میں لاثانی ہو۔ اور متاخرین کے لئے بھی وہ مرجع بن جائے، مثلاً: ابو الزناد عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ذکوان المدنی(م: ۱۳۰ھ)، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک، شعبہ بن حجاج الواسطی ، سفیان الثوری(م: ۱۶۰ھ)، احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام دارقطنی وغیرہ اپنے اپنے دور کے امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے ہیں۔ آج اس لفظ سے مراد امام بخاریؒ ہی لئے جاتے ہیں۔

۲) حافظ:- یہ لقب اس محدث کے لئے استعمال ہوا جو روایت ودرایت کا عالم وماہر ہو۔ یعنی جو معنی ومفہوم حدیث کو بخوبی جانتا ہو، سند حدیث پر گہری نظر ہو اورحدیث کے رواۃ کی جرح وتعدیل کا ماہر نیز ضعیف و صحیح حدیث میں فرق کرنا بھی جانتا ہو۔ جس نے شیوخ سے براہ راست علم حدیث حاصل کیا ہو۔ اس کا علم کتابی نہ ہو۔ اسے وہ اسانید متن سمیت ضرور یاد ہوں اور لکھی ہوئی بھی ہوں جن کی صحت پر علماء نقاد نے اعتماد کیا ہو یا جن رواۃ میں انہوں نے اختلاف کیا ہو۔ جیسے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیٰی بن معین اور امام بخاری رحمہم اللہ یگانہ روزگار حفاظ محدثین میں سے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ (النکت ۱/۱٦۸) میں لکھتے ہیں:

حافظ حدیث ہونے کی چند شروط: یہ شروط جب کسی محدث میں جمع ہوجائیں تو وہ حافظ کہلانے کا مستحق ہے۔

الف۔ طلب حدیث میں شہرت ایسی ہو کہ رجال حدیث سے براہ راست احادیث سنی ہوں نہ کہ صحف سے احادیث لی ہوں۔

ب۔ رواۃ حدیث کے طبقات اور ان کے مراتب کی صحیح معرفت رکھتا ہو۔

ج۔ تجریح وتعدیل کی بھی اسے پہچان ہو، اوراپنے بکثرت حافظے اور متون کے استحضار کے ساتھ صحیح وسقیم میں تمیز کرناجانتا ہو۔

۳) **حاکم:-** جو تمام احادیث کا سندی اور متنی اعتبار سے اور جرح وتعدیل وتاریخ کے اعتبار سے احاطہ کرچکا ہو۔ جس سے علم حدیث کا بہت کم حصہ ازبر ہونے سے رہ گیا ہو۔ جیسے صاحب مستدرک حاکم ابو عبد اللہ۔

۴) **حجۃ:-** اسے تین لاکھ احادیث سند سمیت یاد ہوں اور احادیث کے ہر نکتہ پر اس کی گہری نظر ہو کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف۔

۵) **مُتقِن:-** ضابط کو ہی کہتے ہیں۔ وہ جو ہر بات بڑی پختگی سے کرتا ہو اور اس پختگی میں کمزوری یا غلطی نہ ہو۔

٦) محدث:- کسی بھی حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ دینا کہ صحیح ہے یا ضعیف۔ حفظ حدیث اور فہم وعرفت کا متقاضی ہے۔جو محدث حفظ کے ساتھ اپنی فہم وذکاء اور معرفت کو اس موقع پر نمایاں کرتا ہے وہ واقعی محدث کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔ خواہ اس نے کتنی ہی احادیث ازبر کیوں نہ کر رکھی ہوں۔ نیز محدثین اپنے فہم ومعرفت میں بھی

مختلف درجات کے ہیں۔ کوئی انتہائی اعلی مقام پر فائز ہے اور کوئی ادنی مقام پر۔ اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی تعریف میں مختلف آراء لکھی گئیں ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: محدث وہ ہوتا ہے جو اسانید وعلل کو جانتا ہو اسماء رجال اور سند عالی ونازل سے بھی اسے صحیح معرفت حاصل ہو۔ بکثرت احادیث بطور خاص متون اسے ازبر ہوں۔ اس نے کتب ستہ کے علاوہ مسند احمد، سنن بیہقی اور معجم طبرانی وغیرہ اپنے مشایخ سے سنی ہوں۔ اس کے علاوہ مزید ہزار کے قریب اجزاء حدیثیہ سے بھی شناسا ہو۔ یہ محدث کا کم ترین درجہ ہوگا۔ ان کتب کو سننے کے بعد وہ شیوخ حدیث کے پاس آتا جاتا ہے اور ان سے علل حدیث، وفیات رجال اور مسانید پر گفتگو کرتا ہے تب جا کر وہ محدثین کے ابتدائی درجات میں شامل ہوگا۔ پھر اللہ تعالی جسے چاہے مزید نواز دے۔

علامہ ابن سید الناس کہتے ہیں: ہمارے زمانہ میں محدث وہ ہے جو حدیث کی روایت ودرایت میں مشغول ہو۔ اور رواۃ کے حالات کو جمع کرتا ہو۔ اور اپنے زمانے کے رواۃ وروایات پر اس کی دسترس ہو۔ اس میں وہ دوسروں سے ممتاز اس وقت ہوتا ہے جب حدیث میں اس کا خط پہچان لیا جائے اور وہ ضبط حدیث میں مشہور ہوجائے۔

علامہ زرکشی کہتے ہیں: فقہاء کی طرف سے محدث اسے نہیں کہا جاتا جو سند حدیث کو یاد کرلے اور اس کے راویوں کی تعدیل وتجریح کردے اور سماع سے کم پر اکتفاء کرلے۔

محدثین کے نزدیک محدث وہ ہے جو حصول علم کے بعد ہر عالم کی جمع شدہ روایات حدیث کا بھرپور مطالعہ کرے۔ وہ بیشتر روایات اور رواۃ سے بھی واقف ہو۔ ان کے مابین امتیاز کرنا بھی جان لے دیگر علماء کے ہاں اس کا حفظ بھی معروف ہو۔ ضبط میں بھی اسے شہرت مل گئی ہو۔ اس کی اکثر روایات صحیح ہوں اور متون کو یاد رکھنے کے ہمراہ وہ

راویوں کے حالات، طبقات اور مراتب سے بخوبی واقف ہو۔ وہ روایت اور درایت سے بھی آگاہ ہو محدث کہلاتا ہے۔

حدیث شریف کو حفظ یعنی زبانی یاد کرنے کا رواج ہر زمانہ میں رہا ہے، مرور زمانہ کے ساتھ جبکہ قوت حفظ میں کمی واقع ہوگئی ہے، مگر یہ عمل ہر دور میں رہا ہے حتی کہ ماضی قریب میں بھی ایسے بہت سے علماء گزرے ہیں جنھوں نے احادیث شریفہ کا بہت بڑا حصہ زبانی یاد کیا۔

تذکرہ علمائے ہند (صفحہ ١٧٦) کے مصنف نے کشمیر کے **بابا داؤد مشکاتی** کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں مشکاۃ شریف زبانی یاد تھی، جو گیارہویں صدی کے علمائے نامدار سے تھے، فقہ و حدیث اور حکمت و فلسفہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے، ١٠٩٧ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے پوتے فرخ شاہ کے بارے میں مولانا عبد الحیی رائے بریلوی (والد مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ) نے

الثقافة الإسلامية في الهند (ص:١٣٩) میں لکھا ہے کہ انہیں ستر ہزار حدیثیں متن اور سند اور جرح وتعدیل کے ساتھ یاد تھیں۔

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا حافظہ ضرب المثل تھا، وہ جب مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھاتے تھے تو ایک اہل حدیث سے ان کا مناظرہ طے ہوا، بات یہ طے ہوئی کہ حدیث شریف کی سب سے صحیح کتاب بخاری شریف زبانی سنائی جائے، پہلے وہ تیار نہیں ہوا، جب شاہ صاحب نے پہلی حدیث سے پڑھنا شروع کیا تو ایک پارہ مکمل ہونے پر جب آنکھ کھولی تو دیکھا وہ مناظر صاحب بھاگ کھڑے ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ

شاہ صاحب بھی بخاری شریف کے حافظ تھے، یہی وجہ تھی کہ درس میں آپ کے سامنے بخاری شریف نہیں ہوتی تھی مگر کوئی طالب علم عبارت خوانی میں غلطی کرتا تو فورا اسے ٹوک دیتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ درس بخاری کے وقت اس کی شرح **ارشاد الساری** جو قسطلانی کے نام سے مشہور ہے اس کو سامنے رکھ کر درس دیتے اور خود عبارت پڑھتے، جبکہ اس کی عبارت اور شرح قدیم نسخہ میں بالکل ملی ہوئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بھی بخاری شریف کے حافظ تھے۔

ابھی بالکل قریب کے ایک عالم **مولانا حافظ عبد اللہ درخواستی** (۱۹۰۶-۱۹۹۴) جو بہاولپور کے قریب بستی دین پور کے نواحی علاقے کے رہنے والے تھے، ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھی، علامہ کشمیری نے اپنے سفر بہاول پور (۱۹۳۲ء) کے دوران ملاقات پر انہیں حافظ الحدیث کا لقب دیا تھا۔

آج بھی عربوں کے یہاں بعض جامعات میں حفظ حدیث کا رواج ہے، اور اگر کوئی شخص ہمت کرے تو اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور وہ حدیث کی کتابیں مشکاۃ المصابیح یا بخاری شریف کو زبانی یاد کر سکتا ہے، وما ذلک علی اللہ بعزیز

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں حدیث شریف کی خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے خوش نصیب بندوں میں ہمیں بھی شامل فرمائے۔ اور دنیا وآخرت کی کامیابی ہمارا مقدر بنائے۔

کم از کم بدنامی کا تو سبب نہ بنیں!

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

ہمارے جسم و جاں سب اللہ کی امانت ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق و فرائض متعین ہیں، ان کی خلاف ورزی کی بالکل اجازت نہیں ہے، خودکشی اسلام میں سنگین جرم ہے، ہمیں اپنی جان لینے کا بھی حق نہیں ہے تو بلا وجہ دوسرے کا خون بہانے کا حق ہمیں کیسے حاصل ہوسکتاہے؟ کسی کو ناحق قتل کردینا گویا پوری انسانیت کو قتل کر دینا ہے، کیا ہم اسی نبی کے امتی ہیں جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، جس نے راہ میں کانٹے بچھانے والوں اور پتھر برسانے والوں کو بھی معاف کردیا، جس نے حمزہ بن عبدالمطلب کے قاتل کے ساتھ بھی درگزر کا معاملہ کیا، جس نے ہندہ کے ساتھ بھی عفو سے کام لیااور جس نے مکہ والوں سے بھی بازپرس نہیں کی؟ ہم تو معمولی معمولی باتوں پر اپنے ہی بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ غیروں کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں،
اسلام احترام انسانیت کا درس دیتا ہے، ایک بےگناہ کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے، معصوم جانوں کو ہلاک کر کے ہم کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟
خدارا! اسلام کے لئے نیک نامی کا سبب بنیں، اگر ایسا نہیں کرسکتے تو کم از کم بدنامی کا تو سبب نہ بنیں

بات تو ہے سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی.

بقلم :- حافظ محمد خطیب اعظمی

مودی کے نئے سنسد بھون کی تعمیر خارج از ضرورت ہے، اسکی تعمیر سے ملکی خزانے پر بہت بڑا بوجھ اور غریبوں کے حقوق کی حق تلفی ہے. تاہم ٹھنڈے دل سے ذرا سوچیں کہ کیا یہی سب ہمارے بہت سے بڑے بڑے دینی اداروں میں نہیں ہورہا ہے؟
اساتذہ و ملازمین کی ضروریات شدیدہ کا اتنا احساس نہیں جتنا کھلے دل سے لاکھوں کے مصارف سے اور بعض مرتبہ بلا ضرورت بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں. بلکل اسی طرح جیسے ملک کو فی الحال کسی نئے سنسد بھون کی قطعا ضرورت نہیں پھر بھی ہزاروں کروڑ کے بجٹ سے نیا سنسد بھون تعمیر کرنے کا منصوبہ شروع ہوچکا ہے.
جنکے یہاں فضول خرچی پر کوئی قدقن نہیں جنکے یہاں نمود و نمائش ہی اصل مشغلہ ہے انکا ذکر ہی کیا، لیکن جہاں قدم قدم پر شرعی حدود و قیود ہیں وہاں فضول خرچی اور ماتحتوں کی ضروریات سے عدم توجہی یا تجاہل عارفانہ برتنا لمحہء فکریہ ضرور ہے.

،،کچھ میری بھی سنیں،،

بقلم :- شفیق قاسمی اعظمی

وہ ائمہ یا مدرسین حضرات جو خوشحال ہیں ان کے لئے تجارت میں دلچسپی معقول اور بہتر ہے تاکہ خسارے کی صورت میں تحمل کر سکیں۔
لیکن دیگر حضرات کے لئے میری راے ہے کہ کوئی فن سیکھا جاے یعنی موبائل بیچنا نہیں موبائل بنانا سیکھیں،کمپیوٹر بیچنا نہیں کمپیوٹر بنانا اور چلانا سیکھیں،کوئی ٹیکنیکل کام سیکھنے سے آپ قیمتی ہوجائیں گے اور بہت سے لوگ آپ کے وقت اور محنت کی قیمت بآسانی ادا کریں گے ،آپ اپنی امامت اور تدریسی خدمات کے ساتھ فارغ اوقات میں یہ کام گھر بیٹھ کر صرف فون کے ذریعہ انجام دے سکتے ہیں ،کوئی بھی کسٹمر فون کرے گا آپ خارج وقت کا موعد حسب سہولت دے سکتے ہیں ۔

خیر اندیش ۔
شفیق قاسمی اعظمی
بانی پاسبان علم و ادب

پلٹ کر وار کرنا سیکھ

بقلم :- مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

آزادی کے بعد سے آج تک جمہوریت کے نام پر مسلمانوں سے جتنی قربانیاں لی گئیں وہ سب پر عیاں ہیں سیاسی شعبدہ بازوں نے جمہوریت کے جس سحر میں اس قوم کو محبوس کیا آج تک وہ پوری طرح اس سے نکل پانے میں عاجز ہے قوم مسلم اس قدر سحر زدہ اور دوسری اقوام پر تکیہ کرچکی ہے کہ اسے اس سحر سے آزاد کرانے والا ہر شخص میر جعفر و میر صادق نظر آتا ہے اگر آپ آسام کی مثال لیں تو مولانا بدرالدین اجمل صاحب کو خود کی قوم نے جس قدر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا اسکا عشر عشیر بھی دوسری قوموں نے نہیں بنایا خیر وہ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مشن کی طرف گامزن رہے گزشتہ الیکشن میں اگر جمہوریت کی سب سے بڑی علمبر دار پارٹی کانگریس نے منافقت نہ کی ہوتی تو منزل مقصود قدموں میں ہوتی اور شاید آج کی تاریخ میں وہ آسام سے باہر مسلمانوں کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہوجاتے

ہندوستان ہی نہیں عالمی پیمانے پر اس قوم کا سب سے بڑا المیہ ہی یہی رہا کہ اسے اپنوں نے قدم قدم پہ زخم دیئے اور ہر موڑ پہ راستہ کی رکاوٹ بن کے کھڑے ہوگئے "چور مچائے شور" کا چور بن کر ہمیشہ ہنگامہ کرتے رہے اور غیروں کے معاون بنتے رہے

مجلس اتحادالمسلمین بہار الیکشن میں بہترین نتیجہ حاصل کرنے کے بعد ملک کی دیگر ریاستوں میں اپنے قدم جمانے کیلئے کوششوں کو مزید بڑھاوا دے رہی ہے بہار الیکشن کے

بعد ہی صدر مجلس نے واضح اشارہ دے دیا تھا انکا اگلا میدان عمل اترپردیش و بنگال ہے اتر پردیش میں اسکی بہترین شروعات کرتے ہوئے بھروں کے قائد اوم پرکاش راج بھر اور انکی پارٹی سے اتحاد کرچکے ہیں اگلے کچھ دنوں میں امید کی جارہی ہے کہ شیوپال سنگھ یادو کی پارٹی پرگتی شیل سماجوادی پارٹی بھی اتحاد کا حصہ ہوگی چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کا یہ اتحاد یقینا نام نہاد جمہوریت برداروں کیلئے مشکلیں کھڑی کرنے اور انکے گھمنڈی قدوں کو بونا کرنے والا ہے اسدالدین اویسی کا اعلان کہ یہ اتحاد اوم پرکاش راج بھر کی قیادت میں سیاسی سرگرمی دکھائیگا ایک دانشمندانہ فیصلہ ہے اس اتحاد نے جہاں نام نہاد جمہوریت کے علمبرداروں کی نیندیں اڑانا شروع کی ہیں وہیں سپا بسپا اور کانگریس سے جڑے مسلمانوں کے پیٹ میں مروڑ بھی پیدا کرنا شروع کردیا ہے چند وہ افراد جو کچھ زیادہ ہی دور اندیش ثابت ہوئے ہیں ابھی سے اویسی کے ایجنٹ ہونے کی مالا جپنے لگے ہیں انکی دور اندیشی پہ صرف افسوس ہی کیا جاسکتا ہے پچھلی کئی دہائیوں سے بی جے پی کا خوف دکھا دکھا کے اس قوم کو غلام بناکے رکھا گیا ہے جس خوف کے نتیجہ میں قوم اپنی سیاسی نمائندگی اور قیادت سے محروم رہی آج وہ خوف یہاں تک پہونچ گیا ہے کہ چند صوبے ہی اسکی دسترس سے دور ہیں پھر بھی چند مچند بضد ہیں کہ اب بھی انہیں پہ تکیہ کیا جائے جو انکا نام لینے سے خوف کھاتے ہیں اور انکی آواز اٹھانے سے ڈرتے ہیں آپ کے سامنے کئی مثالیں موجود ہیں محترم جناب اعظم خان صاحب اپنی جھولی میں سپا کیلئے کئی دہائیوں پہ وسیع و عریض خدمات رکھنے کے باوجود سلاخوں کے پیچھے اپنی سیاسی قیادت سے حمایت اور انکے ساتھ ہورہی ناانصافی پر دو میٹھے بول سن نے کو ترس رہے ہیں جمہوریت کے رستم اروند کیجریوال دہلی فسادات کی آڑ میں اپنی ہی پارٹی کے مسلم ورکروں پر ہورہے ظلم پر

مون ہیں شاہین باغ اور سی اے اے پر ساکت و جامد کسان آندولن کی موافقت میں کاپیوں کی دھجیاں اڑاتے نظر آرہے ہیں ان سب کے دوہرے معیار نے ہی آج بی جے پی کو تقویت پہونچائی ہے اور بیچارا مسلمان آج تک اپنے اور اپنوں کو دوش دیتا نظر چلا آرہا ہے وقت ہے کہ سیاست میں ڈیفنسنگ موڈ سے باہر آکر اپنی قیادت کو تقویت پہونچائی جائے چاہے وہ مجلس کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں بہرصورت اپنی قیادت کو مضبوط کریں جتنا روکنا تھا روک چکے ابھی تک مسلمانوں نے دوسری قوموں کا ساتھ دیتے ہوئے بی جے پی کو روکنے کی کوشش کی اب ان سے کہاجائے کہ یہ وقت آپ کے ساتھ دینے کاہے ساتھ دینے کی ایک ہی صورت ہے سیٹوں کے بٹوارے میں مکمل انصاف کے ساتھ پوری پوری حصہ داری دیں ورنہ.... ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبینگے

اپنی قیادت کو مضبوط کرنے کا یہ عمل ان مسلمانوں کیلئے بھی انتہائی مفید ہے جو دوسری پارٹیوں میں رہ کر سرگرمِ سیاست ہیں قیادت کی طرف سے انکے ساتھ ہورہی بے توجہی لطف و عنایت میں بدل جائیگی اس لئے انکے لئے اس معاملہ میں خاموش رہنا ہی مفید ہے سیاست کی سیاست کو سمجھنے والا بہترین سیاست داں ہوا کرتا ہے اسلئے اپنی قیادت کو تقویت پہونچائیں یا تو میدان عمل میں سرگرم ہوکر یا پھر الزامات سے توبہ کرکے....!!

مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری
نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڈھ

شمس الرحمن فاروقی ،ایک عہد ایک تاریخ

بقلم :- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی

دیار مشرق میں خطۂ اعظم کی سرزمین علمی،ادبی ،اور فکری اعتبار سے ہمیشہ زرخیز رہی ہے، اس خاک سے ہر دور میں علمی، تحقیقی ،روحانی عبا قرہ زماں نے جنم لیا ہے،جن کے لامحدود فیضان سے ایک دنیا فیضیاب ہوئی ہے، علم وادب اور شعر وسخن کے حوالے سے ہر عہد میں تاریخ ساز ہستیاں پیدا ہوئی ہیں،جن کے کارناموں سے ادبی کائینات نہ صرف وسیع بلکہ مستحکم ہوئی ہے،اور ہر زمانے میں فکر وفن کے آفتاب و ماہتاب نمودار ہوئے ہیں جن کی کرنوں سے نہ صرف ملک بلکہ بیرون ملک کی ادبی و تحقیقی فضائیں روشن اور منور ہیں،

اردو ادب کی آبرو، تحقیق وتصنیف کے دشت کے عظیم سیاح،جدید آہنگ اور منفرد اسلوب وطرز ادا کے حامل وخالق شمس الرحمن فاروقی کی شخصیت نے اسی علمی سرزمین سے جنم لیا جس نے اپنی خداداد صلاحیت، علمی رفعت، فن کی عظمت اور فکر ونظر کی بلندی کے باعث علم وادب کی تمام جہتوں میں لافانی نقش چھوڑا

شمس الرحمن فاروقی کو قدرت نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ ایک زبردست ادیب بھی تھے اور منفرد اسلوب کے انشاپرداز بھی، ناول نگار بھی تھے اور افسانہ نگار بھی، شعریت کی تمام خوبیوں سے معمور شاعر بھی تھے اور قاری کو اسیر کرنے والے نثر نگار بھی، وہ محقق بھی تھے اور قوت استدلال سے مالامال نقاد بھی، وہ کلاسیکی متون کے مترجم بھی تھے اور شارح بھی، ماہر عروض بھی تھے اور لغات ولسانیات کے رازداں بھی،

وہ حقیقت آشنا مبصر بھی تھے اور عصر حاضر کے یگانہ روزگار مورخ بھی، حاصل یہ کہ وہ ایسے نابغہ روزگار دانشور اور زرخیز تخیل کے مالک مفکر تھے جس کی نگاہیں ادب و تحقیق کے تمام گوشوں کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔

ان صلاحیتوں اور ان کے کارناموں کے تنوع کو دیکھ کر یہ کہنا بالکل بجا اور امر واقعہ ہے کہ شمس الرحمن فاروقی کی شخصیت کثیر الجہات اور ہمہ گیر ہے، ان کی زندگی تاریخ ساز اور ان کی شخصیت عہد ساز ہے، انھوں نے اردو ادب اور فکر و تحقیق کی جس صنف میں قدم رکھا اس میں اپنے کارناموں اور زریں خدمات کے لازوال نقش چھوڑے، نثر نگاری کی طرف توجہ کی تو ادب کا ایک جہاں آباد کردیا، شاعری اختیار کی تو اچھے اچھے سخنور کو مات دے دی، علم عروض کے دشت میں قدم رکھا تو اس میں فتوحات کا علم نصب کیا، تنقید و تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے تو ہزاروں صفحات کو علوم و فنون کی موتیوں سے مزین کرڈالا، افسانوی صحرا میں داخل ہوئے تو بے نظیر تخلیقات کے ذریعے ادبی دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا، غرض جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی اسے اپنی گراں قدر تخلیقات سے ثروت مند بنا دیا،

شمس الرحمن فاروقی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں وہ سراسر علمی و ادبی تھا، ان کی ذہانت وذکاوت اور خداداد تفہیم وتحفیظ کی صلاحیت اور ان کا علمی ذوق شوق،ان کی محنت وجد وجہد اور ان کی مطالعہ کی دھن اس پر مستزاد، ان تمام عوامل کا جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ لازماً ایک قد آور شخصیت کی صورت میں ظاہر ہوا، اور دنیا ان کی طرف پروانوں کی طرح متوجہ ہونے پر مجبور ہوئی، ان کی مختلف النوع فتوحات سے فیض یاب ہونے پر فخر محسوس کیا، ان کی تحقیقات کے آگے سر تسلیم خم کیا اور ان کے نقد ونظر کو

شوق کی نگاہوں سے دیکھا، اور زبان وادب،و تفہیم میر وغالب میں ان کی نگارشات سے روشنی حاصل کی۔
شمس الرحمن فاروقی مرحوم بہترین شاعر و سخن ور تھے ، سخن فہمی و سخنوری انہیں اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی سات سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا پھر طبیعت کی موزونیت رک گئی جس کی وجہ سے شاعری ترک کردی،کچھ عرصہ بعد ان کی بیاض والد صاحب کی نظروں سے گذری تو انھوں نے اصلاح کی اور تمام اشعار کی تقطیع کرکے خامیوں کی نشاندھی کی،بحر کی تقطیع شمس الرحمن فاروقی کو اس قدر اچھی لگی کہ پھر دوبارہ شاعری شروع کردی،اور جدید رنگ وآہنگ واچھوتے خیالات و ،فلسفیانہ نظریات پر مشتمل اس قدر معیاری سخن وری کی کہ ان کا نام وقت کے عظیم شاعروں میں شمار ہونے لگا،ان کے شعری مجموعے شائع ہوئے،جن میں گنج سوختہ،سبز اندر سبز،چارسمت کا دریا،اور آسمان محراب نے دانشوروں سے داد و تحسین حاصل کی ہے'۔
علم عروض میں بھی بے پناہ مطالعہ، تحقیق وتدقیق اور خود گھر کے ماحول کی وجہ سے انہیں مہارت حاصل تھی، علم عروض کے اصول وضوابط،اور قواعد و تقطیع پر انہوں نے اپنے رسالے،،شب خون،،میں متعدد مضامین اور مقالات لکھے جو بعد میں کتابی صورت میں منظر عام آئے۔
ادب کی دیگر اصناف کی طرح افسانے کی صنف پر بھی آپ کو قابل رشک حد تک قدرت اور دسترس حاصل تھی ،ادبی سفر کے آغاز ہی میں انہوں نے افسانے لکھنا شروع کیا تو ادبی دنیا میں انہیں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، اور آپ کی زندگی ایک مقبول اور منفرد رنگ وآہنگ کی حامل افسانہ نگار کی حیثیت سے متعارف ہوئی۔یہ افسانے بھی ان کے ادبی

رسالے ،،شب خون میں اور پاکستان کے مقبول رسالوں کی زینت بنتے رہے، بعد میں ،،سوار اور دوسرے افسانے کے نام سے کتابی صورت میں طبع ہوئے،

داستان گوئی کی صنف اردو میں تقریباً ختم ہوچکی تھی ،اس فن کا شاہکار داستان امیر حمزہ جو پچاس جلدوں پر محیط ہے'

اور مختلف لائبریریوں میں اس کی جلدیں بکھری ہوئی تھیں انھوں نے مکمل جلدوں کا مطالعہ کیا،اس پر گراں قدر تفصیلی تبصرے لکھے، زبان وبیان کے اعتبار سے اس کی اہمیت کو واضح کیا، اور پھر اس فن اور اس کی اہمیت میں،ساحری ،شاہی ،صاحب قرانی،اور داستان امیر حمزہ کا مطالعہ،کے عنوان سے معرکتہ الارا کتابیں لکھیں، اور ان کتابوں کے ذریعے اس فن کو نئ زندگی عطا کی۔

شمس الرحمن فاروقی کے زرخیز تخیل نے ناول نگاری کو بھی وسعت اور استحکام بخشا،انھوں نے میٹرک کے بعد ہی 1949/ میں ناول نگاری کا آغاز کردیا تھا اور ایک ناول،،دلدل سے باہر،،تحریر کیا تھا جو رسالہ معیار میرٹھ میں قسط وار چھپا تھا بعد میں افسانوں کے مجموعے منظر عام پر آنے کے بعد اور ان کی حد سے زیادہ مقبولیت کے بعد مزید اس صنف پر اہتمام سے توجہ دی اور اپنی شاہکار تخلیق،،کئ چاند تھے سر آسماں،،کی صورت میں ادبی سرمایہ اہل فن کو عطا کیا،،جس نے فکر وفن کی دنیا میں آپ کو عظمتوں کے آسمان پر پہونچا دیا،یہ ناول انڈیا کے علاوہ پاکستان اور دوسرے ملکوں میں متعدد بار شائع ہوئی اور کلاسک کے درجہ کو پہونچی اردو کے تمام فنکشن نگاروں نے،ادیبوں نے،اور قلم کاروں نے اس پر تفصیلی تبصرے لکھے اور اس کی پر زور لفظوں میں تحسین و ستائش کی، اس کتاب کے،،مرر آف بیوٹی،،کے عنوان سے ترجمہ کو نوبل انعام یافتہ ترک مصنف اور

جان پاموک نے بھی سراہا اور اس کی توصیف کی،
تاہم شمس الرحمن فاروقی جس صنف کی وجہ عظمتوں کے ہفت آسماں پر پہونچے، اور جس فن نے انہیں معاصرین میں امتیازی مقام عطا کیا وہ ان کی تنقید نگاری ہے، وہ اس عہد کے سب سے بڑے نقاد اور محقق تھے، تحقیق و تنقید کے دشت میں ان کے قلم نے جس قدر سیاحت کی ہے،اور علوم کا جو ذخیرہ انھوں نے دریافت کیا ہے اس کی نظیر اس عہد میں نہیں ملتی، پوری زندگی انھوں نے اس فن کے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے، اور لسانیات اور تاریخی معلومات سے اردو ادب کو ثروت مند بنایا ہے، مشہور محقق علی عباس جعفری لکھتے ہیں،، شمس الرحمن فاروقی کے تنقیدی مضامین کے متعدد مجموعے شائع ہوئے جن میں نئے نام،لفظ و معنی،فاروقی کے تبصرے،شعر غیر شعر،نثر و عروض،آہنگ وبیان، تنقیدی افکار،اثباتت و نفی،انداز گفتگو کیا ہے،غالب پر چار تحریریں،اردو غزل کے اہم موڑ،خورشید کا سامان سفر،ہمارے لئے منٹو صاحب،اردو کا ابتدائی زمانہ اور تعبیر کی شرح،کے نام سے سرفہرست ہیں۔تاہم تنقید کے میدان میں ان کا سب سے معرکۂ آرا کام،،شعر شور انگیز،کو سمجھا جاتا ہے
چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں میر تقی میر کی تفہیم
جس انداز سے کی گئی ہے اس کی کوئی مثال اردو ادب میں نہیں ملتی اس کتاب پر انہیں 1966/ میں سرسوتی سمان ادبی ایوارڈ بھی ملا(برقی میڈیا تحریر علی عباس جعفری)
شمس الرحمن فاروقی کو زبان اور اس کے اسرار و رموز اور اس کے قواعد و ضوابط اور اس کے لفظ و معنی پر بے پناہ عبور تھا،اس میدان میں ان کی دسترس کا بین ثبوت ان کی لغت،،لغات روز مرہ،،ہے ،جو تصنیف کے عہد سے مسلسل شائع ہورہی ہے اور طالبان

ادب کی توجہ کا مرکز رہی ہے،
پرورش لوح و قلم کے حوالے سے ان کا ایک بڑا کارنامہ رسالہ شب خون کا اجرا ہے،
تیس سال کی عمر میں الہ آباد سے اس رسالہ کو نکالنا شروع کیا اور مسلسل چالیس برس تک اس کے پلیٹ فارم سے اردو نقد تحقیق اور اور دوسرے علوم کی نمائندگی کرتے رہے، یہ میگزین اس قدر معیاری اور اس قدر معلومات سے معمور تھی کہ علمی وادبی حلقوں میں ادب وتنقید کے میدان میں ریفرنس کا کام اس سے لیا جاتا تھا،کرشن چند نے اس کے بارے میں لکھا کہ،،یقین نہیں آتا ہے کہ یہ رسالہ اردو زبان کا ہے اور ہندوستان سے نکلتا ہے،، رسالہ شب خون میں اگرچہ بحیثیت مدیر،پرنٹر اور پبلشر عقیلہ شاہین کا نام درج ہوتا تھا لیکن ترتیب وتہذیب کے ذمہ دار فاروقی تھے اور وہی دراصل پورے رسالے کی نگرانی کرتے تھے ملازمت سے وظیفہ یاب ہونے کے بعد وہ از اول تا آخر اسے سنوارتے تھے تقریباً اسی صفحات پر مشتمل اس رسالے میں اعلی درجے کے طبع زاد نثری مضامین کے علاوہ مختلف زبانوں کے تراجم اور ادبی مباحث بھی ہوتے تھے منظومات کے علاوہ چند مستقل عنوانات مثلاً،،سوانی گوشے،، کہتی ہے خلق خدا،اور ابتدائیہ میں ادب عالیہ کا کوئی تعارفی مضمون ہوتا تھا،اس رسالے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ نہ تو کوئی مضمون قسطوں میں چھپتا تھا
اور نہ مختلف الگ الگ صفحات پر،صحت کی خرابی اور دوسرے ناگزیر اسباب کی بنا پر فاروقی نے جون تا دسمبر 2005/ میں دو جلدوں پر مشتمل آخری شمارہ نکال کر،شب خون، بند کردیا (برقی میڈیا تحریر رشید اشرف خان)
ان کے کارناموں کی وقعت خدمات کی وسعت وتنوعاتی جہانوں کی تعمیر پر ملک کی تقریباً

تمام ادبی اکیڈمیوں نے سرکاری اداروں نے ،عصری دانشگاہوں نے ایوارڈ واعزازات سے نوازا، ان کی مایہ ناز تنقیدی تصنیف شعر شور انگیز پر بر صغیر کا سب سے اہم ایوارڈ سرسوتی سمان سے انہیں سرفراز کیا گیا یہ اردو ادب میں پہلے دانشور ہیں جنہیں یہ اعزاز ملا ہے'، 2009/ میں حکومت ہند کی طرف سے ان کے زریں کارناموں پر پدم شری اعزاز سے نوازا گیا، حکومت پاکستان نے بھی برائے حسن کارکردگی صدارتی ایوارڈ عطا کیا، ان کی کتاب تنقیدی افکار پر ساہتیہ اکیڈمی نے بھی ایوارڈ سے نوازا، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی، ابوالکلام آزاد یونیورسٹی حیدرآباد نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری تفویض کی، اس کے علاوہ ایشیا یورپ امریکہ کی مشہور یونیورسٹیوں میں انہیں لیکچر کی دعوت دی گئی، بطور مہمان خصوصی بیرون ملک کی دانشگاہوں نے اپنی علمی تقاریب اور ادبی کانفرنسوں میں خطاب کے لئے مدعو کیا، چنانچہ زبان وادب اور تاریخ وتنقید کے عنوان پر انھوں نے بیرون ملک کی بیسیوں یونیورسٹیوں میں خطاب کیا،،

انہوں نے پہلی بار 1987/ میں برطانیہ اور امریکہ کا دورہ کیا

جہاں انہوں نے وسکالنسن یونی ورسٹی میں بین الاقوامی ادبی کانفرنس میں شرکت کی اور شکاگو یونیورسٹی میں لیکچر دیئے،1980/ میں پاکستان کے شہر لاہور اور کراچی کے ادبی جلسوں سے خطاب کیا،1984/ میں امریکہ اور کناڈا کا سفر کیا

اور ٹورنٹو میں بین الاقوامی ادبی کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد برٹش کولمبیا یونیورسٹی،وین کور، کیلی فورنیا یونیورسٹی (برکلے) اور وسکالنسن یونی ورسٹی میں جلسوں سے خطاب کیا

1984/ میں تھائی لینڈ کے شہر بنکاک کے saarc کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کی،

1985/ میں سوویت یونین ماسکو میں ہندستانی سائنس نمائش میں ہندستانی وفد کی قیادت کی،1986/ میں دوبارہ پاکستان کا سفر کیا،
اور اسلام آباد میںSAARC(دیہی توانائی) میں ہندوستان کی نمائندگی کی،1986/ میں امریکہ اور کناڈا کا دورہ کیا جہاں انھوں نے چھ امریکی شہروں میں ہندستانی شاعری میلہ اور ادبی جلسوں سے خطاب کیا،1987/ میں خلیجی ممالک دوحہ قطر میں ہند پاک جلسوں میں شرکت کی،1988/ میں برطانیہ اور امریکہ گئے جہاں لندن کے ایک ادبی جلسہ سے خطاب کیا،علاوہ ازیں پنسلوانیا، فلاڈلفیا، اور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں لیکچر دیے،1989/ میں کراچی کے ادبی جلسوں سے خطاب کیا،1989/ میں ہی پنسلوانیا یونورسٹی امریکہ میں اردو ادب پر تقاریر کیں،1990/ میں جدید اردو کلاسیکی ادب پر شکاگو میں لیکچر دیے،
1993/ میں پنسلوانیا شکاگو اور کولمبیا یونیورسٹی میں اپنے خطاب پیش کئے،(برقی میڈیا تحریر رشید اشرف) اس کے علاوہ عرب ،فلسطین اور مغربی یورپ،بلجیم ہالینڈ،نیوزی لینڈ،سنگاپور،اور امریکہ کے مختلف شہروں میں متعدد بار مدعو کیے گئے اور وہاں ان کے لیکچرز ہوتے رہے، 1996/ میں ہیبرو یونیورسٹی اسرائیل نے بھی آپ کو لیکچر دینے کی دعوت دی اور خطیر معاوضے کی پیشکش کی،مگر فاروقی مرحوم کی دینی اور اسلامی حمیت نے اس کو گوارا نہیں کیا اور اس پیشکش کو ٹھکرا کر ثابت کردیا کہ وہ اسرائیل کی جارحیت اور اس کے ظالمانہ کردار سے متفق نہیں ہیں۔
شمس الرحمن فاروقی مرحوم کا آبائی وطن ضلع اعظم کے ایک علمی قصبہ کوئریا پار ہے جو اب مئو ضلع میں شامل ہے، ان کے آباء واجداد حضرت عمر فاروق بن خطاب کی نسل سے ہیں، آپ کا خاندان نہایت متشرع اور دیندار تھا،والد محترم اور جد امجد حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ان کے انتقال کے بعد حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوری سے منسلک ہوگئے، (تذکرہ علمائے اعظم گڈھ مولانا حبیب الرحمن اعظمی) آپ کا نانہال بھی مذہبی اور دینی تھا مگر مسلکا وہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا عقیدت مند تھا، آپ کے والد مولانا خلیل الرحمٰن فاروقی دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے بھی حامل تھے وہ محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد الہ آباد میں مستقل سکونت اختیار کرلی، 30/ ستمبر 1935/ کو کالاکانکر ہاؤس پرتاپ گڈھ یوپی میں آپ پیدا ہوئے، جہاں آپ کے ناناخان بہادر محمد نظیر صاحب

اسپیشل منیجر کورٹ آف وارڈس تھے، ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم آبائی وطن کوئریا پار میں ہوئی، اس کے بعد محلہ میر باغ پیٹو شہر اعظم گڑھ کے ایک مکتب میں داخل کردیئے گئے، مکتبی تعلیم کے بعد ویسلی ہائی اسکول اعظم گڈھ میں داخلہ لیا وہاں نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد 1948/ میں گورنمنٹ جوبلی ہائی اسکول گورکھپور میں دسویں جماعت میں ایڈمیشن لیا اور 1949/ میں ہائی اسکول پاس کیا، انٹر کی تعلیم گورکھپور میں ہی جارج اسلامیہ انٹر کالج میں مکمل کی، یہاں انہیں بہترین اور مخلص استاذ ملے خصوصا انگریزی کے ٹیچر غلام مصطفیٰ خان رشیدی کی عنایات اور شفقتیں انہیں میسر ہوئیں، ان کی تحریروں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے، انہیں اپنی تخلیقات دکھاتے اور ان سے اصلاح لیتے، مرحوم کے ادبی ذوق کو سنوارنے اور نکھارنے میں رشیدی صاحب کا بہت دخل ہے'، فاروقی صاحب لکھتے ہیں،، مجھے اس بات کا فخر رہے گا کہ رشیدی صاحب مجھے اچھے طالب علموں میں شمار کرتے تھے اور میرے ادبی ذوق کو بھی انھوں نے ہمیشہ تحسین کی نگاہوں سے دیکھا اپنی اردو تحریریں کبھی کبھی ان کو دکھاتا، ان کے مشورے نہایت

ہمدردانہ لیکن باریک بینی سے مملو ہوتے تھے اور میں نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا (حوالہ سابق)

انٹر میڈیٹ پاس کرنے کے بعد شمس الرحمن فاروقی نے مہارانا پرتاب کالج گورکھپور سے بی اے کیا،اس کے بعد 1953/ میں الہ آباد یونیورسٹی میں،ایم اے انگریزی ادب میں داخلہ لیا اور 1955/ میں امتیازی نمبرات کے ساتھ پوری یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی جس پر انہیں دو گولڈ میڈل کی صورت میں انعام سے نوازا گیا،لیکن اول پوزیشن کے باوجود بھی انہیں یونیورسٹی میں تدریس کی جگہ نہیں مل سکی جبکہ وہاں کے دستور کے مطابق فاروقی صاحب تدریس کے حقدار تھے،ایم اے کی تکمیل کے بعد تدریسی میدان میں قدم رکھا اور ستیش چندر کالج یوپی سے وابستہ ہوگئے،انہیں دنوں شبلی کالج اعظم گڈھ سے لیکچر شپ کی پیشکش ہوئی اور اس دعوت پر اعظم گڈھ آئے اور یہاں 1958/تک تدریس سے وابستہ رہے

اسی سال ملک کے معزز اور اہم پیشے کے لئے مقابلہ جاتی امتحان میں شرکت کی اور کامیاب ہوکر انڈین پوسٹل سروس سے منسلک ہوگئے اور چھتیس سال تک اس شعبے کے اہم عہدوں،یعنی چیف پوسٹ ماسٹر جنرل بہار پٹنہ،چیف پوسٹ ماسٹر جنرل اترپردیش،ڈپٹی ڈائیریکٹر پوسٹل میٹریلس،پی اینڈ بورڈ نئی دہلی،اور جوائنٹ سکریٹری ڈیپارٹمنٹ آف نان کنونشن انرجی سورس ہند نئی دہلی،پر فائز رہے،اور پھر 1994/ میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، وظیفہ یاب ہونے کے بعد آپ کی تخلیقی،تصنفی اور تنقیدی سرگرمیوں میں تیزی آئی اور آپ کی جد وجہد،اور عرق ریزی ،کی رفتار مکمل طور سے مطالعہ و تحقیق کی طرف مڑ گئی، نتیجتا دنیا علم و تحقیق،اور فکر و نظر کے صد رنگ تنوعاتی جہان سے آشنا ہوئی،

جدیدیت کا ادب جو فرد کی داخلی وخارجی کیفیات سے بحث کرتا ہے،اسے نہ صرف زندگی ملی بلکہ اسے استحکام بھی حاصل ہوا،اور اس کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوا۔

بصیرتیں جب وہبی ہوں، شعور و ادراک کی قوتیں پختہ اور مضبوط ہوں

افکار وخیالات رفیع اور بلند ہوں،اور تفہیم و تشریح کی استعداد خداداد ہوں،اور پھر جہد مسلسل ،فکر وتڑپ اور محنت ومزاولت کے عناصر بھی ذات کے ہمرکاب ہوں تو زندگی کو عبقریت کے مقام پر پہونچنے میں دیر نہیں لگتی، شمس الرحمن فاروقی کی شخصیت میں ابتدا ہی سے یہ سارے اوصاف موجود تھے انہوں نے ان صلاحیتوں کا استعمال کرکے زبان وادب کے ہر میدان میں عظمتوں کی تاریخ رقم کی ہے، اپنی گراں قدر تخلیقات سے زبان وادب کی نئ جہتوں سے علمی دنیا کو روشناس کرایا ہے، جدید اسالیب،نئے آہنگ اور جدید افکار وخیالات کو متعارف کرایا ہے۔ اس عہد میں فکر وفن کے حوالے سے وہ نہ صرف جدیدیت بلکہ ادب وتاریخ اور شعر وسخن کی کائینات کے وہ سچے اور عظیم نمائندے اور علمبردار تھے، نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اپنی وقیع اور نادر تصنیفات وتخلیقات کی شعاعوں سے اقصائے عالم کی علمی،ادبی اور تحقیقی فضاؤں کو روشن کرنے والا یہ آفتاب بالآخر 25/دسمبر 2020/بروز جمعہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا، اور جہان فکر وفن کو اداس وسوگوار کرگیا۔

کرونا کی وبا اور لاک ڈاؤن کے قانون نے بے شمار زندگیوں کو خاموش کیا ہے'،اسی وبا کی زد میں فاروقی کی شخصیت بھی آئی،دہلی کے اچھے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کیا گیا،طبیعت بظاہر سنبھل گئی،اورالہ آباد آئے مگر زندگی کے سفر کی تکمیل سے یہ راز کھلا کہ طبیعت میں افاقہ دراصل سحر کا وہ چراغ تھا جس کی لو میں ترنگ صرف چند لمحوں کے لیے ہوتی ہے۔

شمس الرحمن فاروقی اگرچہ عالم بقا کی طرف رحلت کرگئے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے کارناموں کی بنیاد پر وہ زندہ تھے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے،ایسے ہی لوگوں کے لئے شاید اقبال مرحوم نے کہا تھا۔۔

موت تجدید مذاق زندگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے'

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی

مسجد انوار گوونڈی ممبئی

8767438283

ٹونٹی ٹونٹی فائنل

بقلم :- مولانا شیخ محمد خالد اعظمی قاسمی

2020 جب اپنے وجود کی آخری ہچکیاں لے رہا تھا
لوگ آنے والے سال میں دوست و احباب، عزیز و اقارب کیلئے نیک خواہشات کررہے تھے اور رخصت ہونے والے سال کے کھٹے میٹھے واقعات کو یاد کررہے تھے
2020 کے اسی آخری دن یعنی 31 دسمبر کو بندہ نے تعزیت کیلئے لپری کا پروگرام بنایا اور اس پروگرام کو ماموں جان (مولانا اکرم خان قاسمی صاحب) نے آسان کیا
31 دسمبر کو تقریباً بارہ بجے جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور پہونچا سب سے پہلے جامعہ کے موقر استاذ مولانا وسیم احمد قاسمی شیروانی صاحب سے ملاقات ہوگئی اور انھوں نے اپنے گھر پر چاے پلاکر محبت کا اظہار کیا وہاں سے فارغ ہونے کے بعد استاذ محترم جامعہ کے ناظم مولانا توفیق احمد صاحب دامت برکاتہم کے بڑے صاحبزادے مولانا اسعد قاسمی صاحب جو میرے دوستوں میں سے ہیں ان کے دولت کدہ پر آیا وہ پہلے سے منتظر تھے ان کے خوبصورت مہمان خانہ میں آرام کیا ماموں بھی دو گھنٹہ انتظار کے بعد اپنے صاحبزادے قندیل الرحمن کیساتھ جامعہ حسینیہ آگئے
ان کیساتھ جامعہ حسینیہ کے مقبول استاذ مفتی صہیب قاسمی صاحب ارند جونپور جو ماموں کے ہم زلف ہیں کی رہائش گاہ پر پر تکلف چاے مع لوازمات سے محظوظ ہوئے اور فارغ ہوتے ہی بغیر کسی تاخیر کے ہم لوگ لپری روانہ ہوگئے
عصر سے تھوڑا پہلے ہم لوگ لپری پہونچ گئے،

سیدھے مسجد کا رخ کیا کیونکہ ماموں کا آبائی گھر اسی مسجد سے متصل ہے
عصر کی اذان ہوئی جماعت کیساتھ نماز عصر ادا کی گئی مسجد ہی میں مولانا اویس صاحب ،مولانا امجد صاحب مولانا نفیس و دیگر برادران سے ملاقات ہوئی اور ساتھ میں ان کے گھر آئے
ایک ہفتہ قبل ان کے بڑے بھائی کی وفات ہوئی تھی انھیں کی تعزیت کے سلسلے میں لپری جانا ہوا تھا
کافی دنوں کے بعد یہ تمام بھائی لپری میں اکٹھا ہوئے تھے کیونکہ سب لوگ ممبرا میں مقیم ہیں مولانا اویس صاحب کے گھر پر بھی چاے کا دور چلا کچھ دیر وہاں بیٹھے مولانا امجد صاحب وغیرہ سے کچھ باتیں ہوئیں اور پھر ہم لوگ واپس ہوئے جونپور سے لپری جاتے ہوئے راستے ہی میں ڈاکٹر ارشد صاحب نے ماموں کو عشائیہ کیلئے مدعو کردیا تھا جس کیلئے آنگن ڈھابہ لالگنج کا انتخاب ہوا تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی کلینک لالگنج میں ہے اور اس وقت وہ چوبیس گھنٹے طبی خدمات انجام دے رہے ہیں
اس لئے ہم لوگ لپری سے جونپور ہوتے ہوئے لالگنج کیلئے نکل پڑے بادشاہ پور میں مغرب کی نماز اداکی گئی نماز کے بعد لالگنج کی جانب محو سفر ہوگئے
30 منٹ میں ہم لوگ لالگنج ڈاکٹر ارشد صاحب کی کلینک پر پہونچ گئے ڈاکٹر صاحب فوراً متعینہ ڈھابہ پر لیکر آئے اور ہم لوگ حسب خواہش لذیذ کھانوں سے شادکام ہوئے
ماموں چونکہ میرے علاقے میں تھے اس لئے شدید خواہش تھی کہ تھوڑی دیر کے لئے ناچیز کے غریب خانہ پر بھی چلیں
ماموں نے منظور کرلیا گھر پر پہونچے تو عشاء کی نماز ہوچکی تھی

ہم لوگوں نے مسجد میں فرداً فرداً نماز عشاء ادا کی نماز کے بعد گھر پر آئے کھانے سے فارغ پہلے ہی ہوچکے تھے اس لئے صرف چائے پر اکتفا کیا

ہمارے گاؤں میں ماموں کے ایک پرانے شناسا مولانا سلمان قاسمی صاحب اور ان کے والد محترم ہیں ماموں نے ان سے بھی ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا چنانچہ ان کے یہاں بھی گئے اور کچھ دیر بیٹھے ساڑھے نو بج چکے تھے ماموں کو واپس شاگنج جانا تھا راستہ طویل تھا اس لئے وہاں چائے سے فارغ ہونے کے بعد ماموں اپنے گھر کیلئے روانہ ہوگئے.

اور الحمد للہ گیارہ بجے بخیر و عافیت منزل پر پہنچ گئے

اس طرح ٹونٹی ٹونٹی اپنی بہت سی کھٹی میٹھی یادوں کے ساتھ رخصت ہوا

سال نو 2021 شروع ہوچکا

دعا ہے اللہ تعالٰی اس سال نو کو ہم سب کیلئے، دنیا کے تمام مسلمانوں کیلئے خیر و عافیت کا سال بنائے..

اور پوری دنیا خصوصاً ہمارے ملک میں امن و سکون کی فضا قائم فرمائے

نوٹ... یہ تحریر 2020 کی آخری اور 2021 کی پہلی تحریر ہے اس تحریر کو لکھنے میں پورا ایک سال لگا ہے

2020 میں لکھنا شروع کیا تھا 2021 میں مکمل ہوئی

اس لحاظ سے اپنی نوعیت کی تاریخی تحریر بھی ہے

شیخ محمد خالد اعظمی

1/1/2021

12.30 am

اہم بات

بقلم :- مفتی محمد رضوان اعظمی

تین چیزیں جس سے آپ لوگوں اور ان کے اخلاق کو جان سکتے ہیں

پہلا: سفر کرتے وقت .. کیونکہ سفر صاحبِ سفر کے اخلاق کو واضح کر دیتا ہے۔

دوسرا: غصے کے وقت ..چنانچہ جس کو بھی آپ نے غصہ دلایا تو وہ پچھلی دوستی کو بھول جاتا ہے اور اس کی وجہ سے آپ کے بارے میں (نامناسب) باتیں کرنے لگتا ہے ، لہٰذا اس سے بچو۔

تیسرا: مالی معاملات میں .. چنانچہ اس سے بھی لوگوں کے اخلاق معلوم ہوتے ہیں .. اور کتنے لوگ اس میں فیل ہو جاتے ہیں .. خاص طور پر اگر اس میں کوئی اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے ..تو آپ کسی شخص کے اخلاق ، اس کا تقویٰ اور اس کا خوفِ خدا جان سکتے ہیں ..

نیز آپ اس کی اچھی اور بری رفاقت میں فرق بھی جان سکتے ہیں ۔

خدا ہمیں اور آپ کو اچھے اخلاق سے نوازے۔۔۔ آمین یارب العالمین

مدھیہ پردیش میں مسجد پر ہندو دہشت گردوں کا حملہ

بقلم :- مفتی طہٰ قاسمی جون پوری

مدھیہ پردیش میں مسجد پر ہندو دہشت گردوں کا حملہ

وقت کی پکار: منصوبہ بنائیں اور عملی جامہ پہنائیں

ایک حقیقت ہے، کہ ہندوستان تنوع میں اتحاد پر یقین رکھتا ہے، جہاں لاکھوں افراد مختلف ثقافت اور تہذیب کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ تقریبا ہر برادری کے اپنے نظریے ہیں۔ پورے ملک میں لوگوں کے اپنے مذہب کے مطابق عقائد ہیں اور ان کی اپنی اپنی عبادت گاہیں ہیں۔

ان تمام چیزوں کی آئین ہند میں ضمانت ہیں، جہاں اس ملک کے ہر شہری کو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں اور اس ضمانت کی وجہ سے ہر ایک کو اس کی اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کی مکمل اجازت دی گئی ہے، لیکن بدقسمتی سے، یہاں ایک ایسا طبقہ ہے، جو قانون کی پاسداری کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس طبقے کو اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر اذیت دی جاتی ہے۔اس کے لاکھوں واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں ۔

یہ طبقہ کوئی اور نہیں بلکہ اس ملک کے مسلمان ہیں۔ انہیں ایک طویل عرصے سے انتہا پسندوں اور دائیں بازو کے لوگوں کے ذریعہ پیدا کردہ چیلنجوں اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔ آپ صرف بابری مسجد کی شہادت کا ایک واقعہ یاد کریں. اس حادثے کے بعد مسلم طبقے کو بے انتہا تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، اور بہت سی اموات ہوئیں۔ بابری مسجد کو 6 دسمبر

1992 کو آر ایس ایس کے لوگوں نے مسمار کیا۔ اور تب سے ہندوستان میں ہزاروں واقعات رونما ہوئے ہیں، جہاں مسلم کمیونٹی کو نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

اب پھر ایک مسجد پر اس طرح کا دہشت گردانہ حملہ ہوا ہے: مدھیہ پردیش کے مدسور ضلع کے ڈورانہ گاؤں میں: 29-12-2020 کو بھگوا گنڈوں نے مسجد کے جھنڈے اتارے اور توڑ پھوڑ کی۔ اس حملے کی باضابطہ ویڈیوز موجود ہیں، جو اس بات کی گواہ ہیں، کہ کس طرح سے یہ دہشت گرادانہ حملہ کیا گیا ہے۔ ایوارڈ یافتہ نامور صحافی عارفہ خانم شیروانی نے اسی واقعے کے بارے میں ٹویٹر پر پوسٹ کیا تھا: "پہلے ہندوتوا ہجوم نے ایودھیا میں ایک تاریخی مسجد کو منہدم کردیا۔ ہجوم کو سزا نہیں دی گئی تھی، بلکہ ایک مندر کے انعام سے انھیں نوازا گیا تھا۔ اب وہی ہجوم مزید مساجد کو مسمار کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیوں کہ یہ مندربنانے کے لئے 'رقم جمع کرنا' ہے۔یہ بھیڑ بھی جانتی ہے، کہ ہندوستان میں اکثریتی طبقے کی طرف سے ہونے والے تشدد کی سزا نہیں دی جائے گی۔

لہذا، اب وقت کی پھر پکار ہے کہ مسلم کمیونٹی کے تحفظ کے لیے، ان کی شناخت، عائلی قوانین، اور مساجد وغیرہ کو بچانے کے لئے منصوبہ بنایا جائے. تعمیر مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اور پھر اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایک کلیدی عامل یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اسلام کی خوبصورتی اور اس کی تعلیمات کو براہ راست تعارف کرانے کے لئے نفرت کے پجاریوں تک پہونچا جائے۔ کیوں کہ ایک بڑا طبقہ آج اسی نفرت کی بنیاد پر، مسلمانوں کے ساتھ، اس طرح کا معاملہ کررہا ہے

یقینا، ایسے رہنما موجود ہیں، جو عرصہ دراز سے انتھک محنت کر رہے ہیں، لیکن مستقبل کا تحفظ اوراس کی تعمیر بہت کچھ کی متقاضی ہے۔ تمام جماعتوں کے قائدین کو اپنے

تضادات کو ختم کرکے، متحد ہونا چاہئے،

متحد ہو تو بدل ڈالو دنیا کا نظام

منتشر ہو تو مرو، شور مچاتے کیوں

ظالم گھات لگائے بیٹھا ہے،اوراپنے دجالی ایجنڈے کے نفاذ کے لیے ہر ممکن کوشش کررہا ہے۔ آج پوری مسلم دنیا آپ کی منتظر ہے؟

کیا ایسا ہو گا ؟

خدا کرے 2021 امت کے حق میں خیر ہو۔

طہ جون پوری

31-12-2020